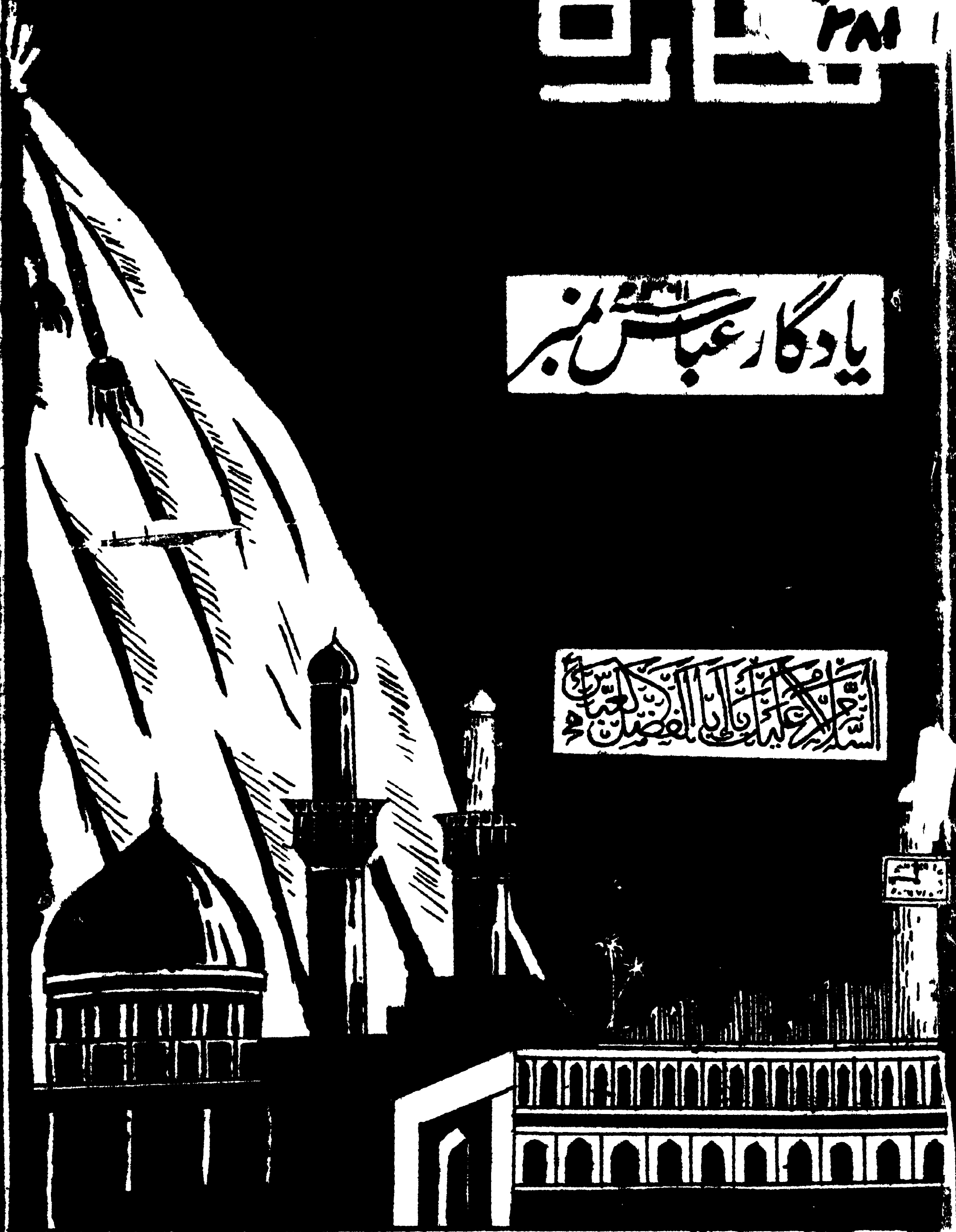
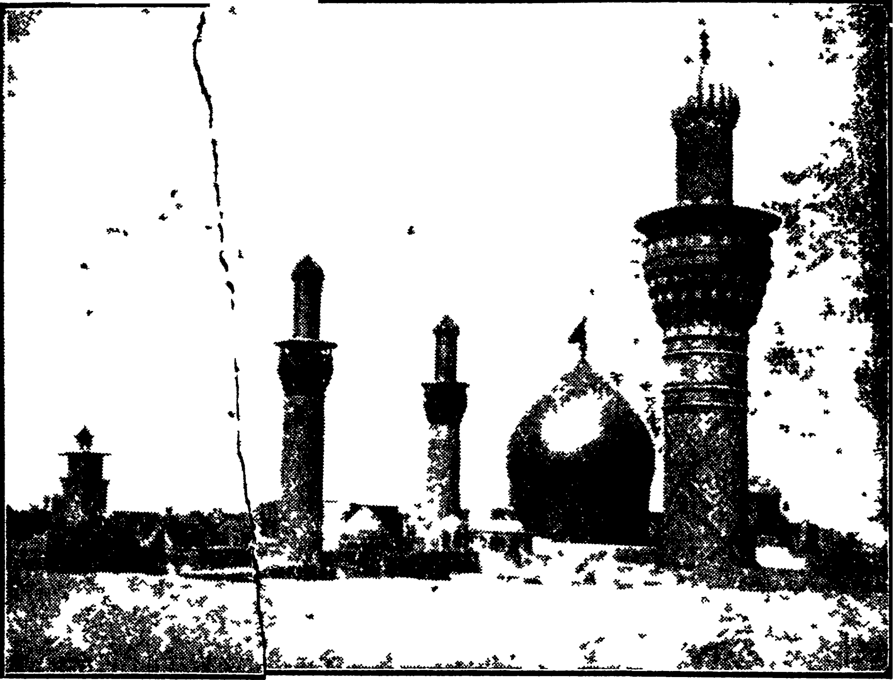
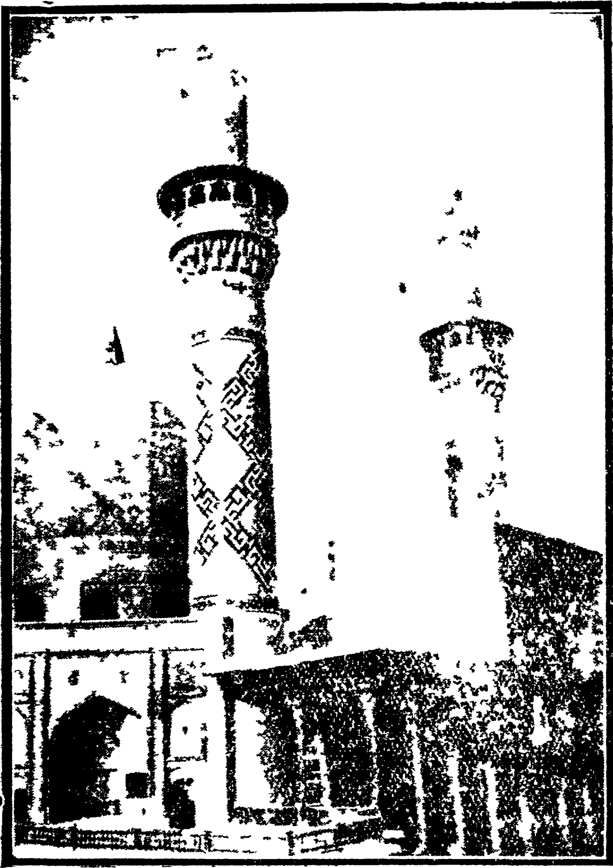

عباس کا علم ہے قومی نشاں ہمارا
رسائل ۲۸۱
یادگار عباس نمبر
السلام علیک یا ابا الفضل العباس
قیمت آٹھ آنہ
ایڈیٹر سید ظفر عباس
فضل

"دو بھائیوں کی آرامگاہیں"

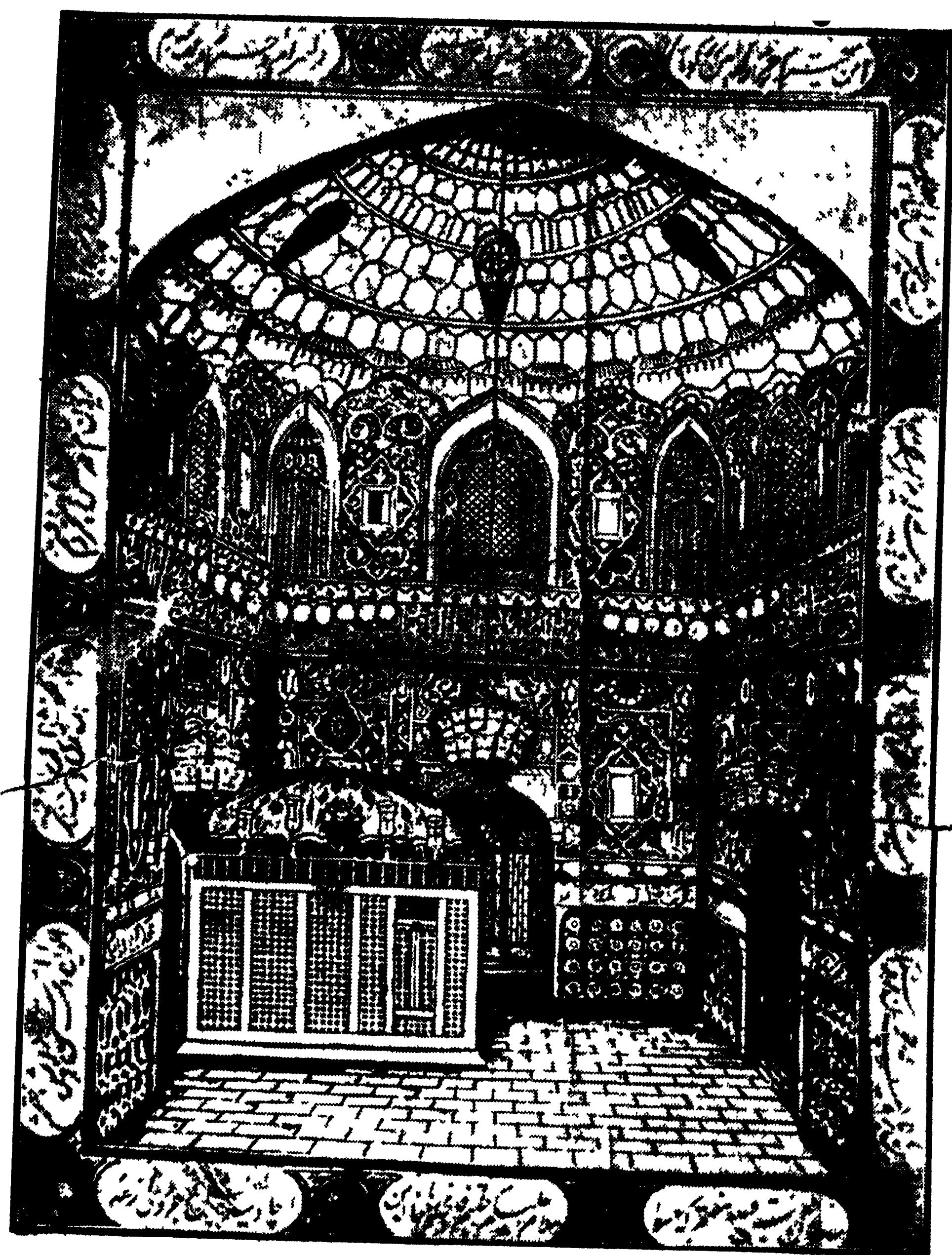


امام حسین علیہ السلام

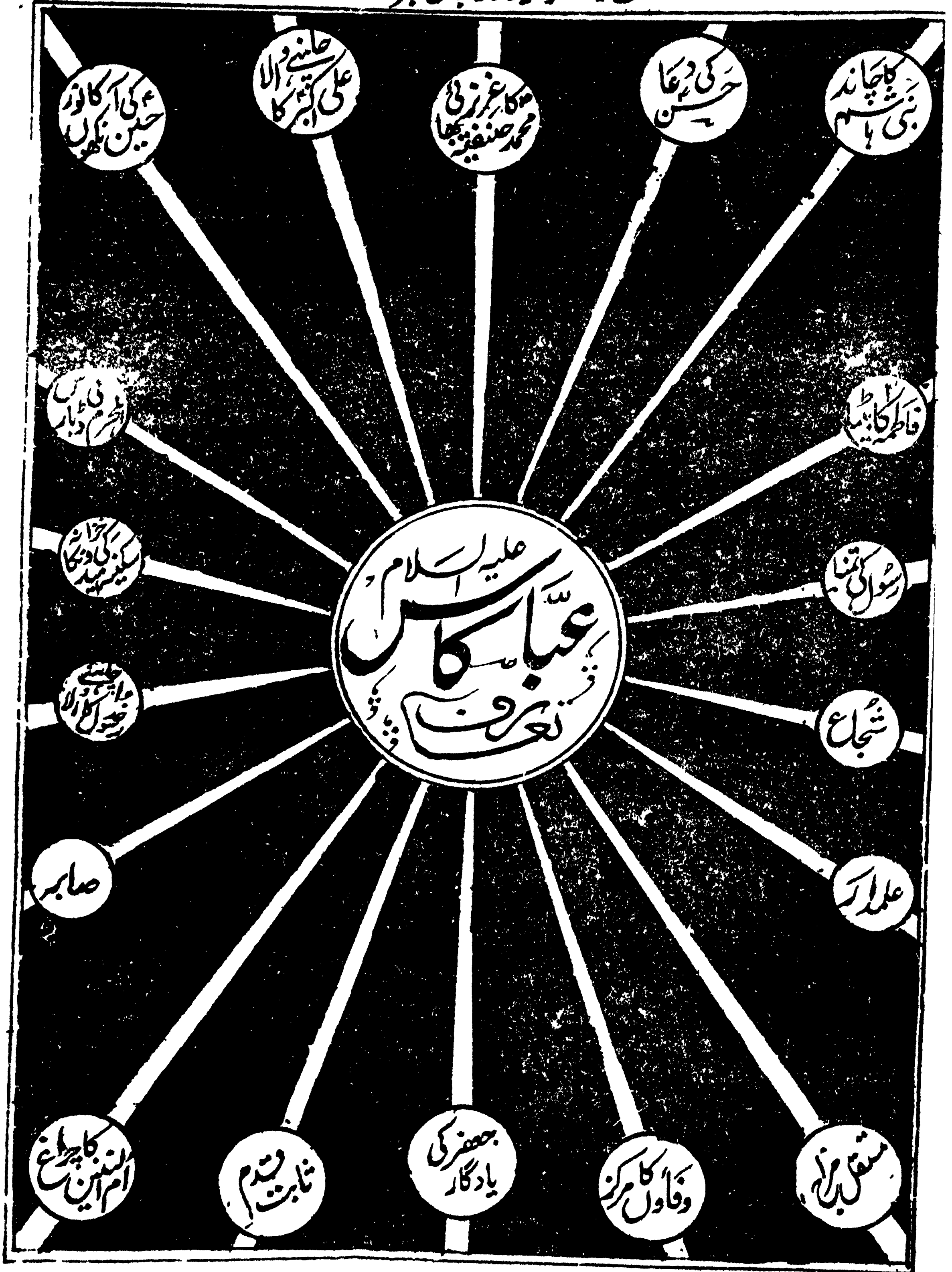


عباس ابن علی علیہ السلام

(اب کی روز عاشور تجدکی شہادتوں کو پورے تیرہ سو برس ہوجائیں گے۔)



سرداب مشهد مقدس


عباس علیہ السلام کا تعارف
بنی ہاشم کا چاند
حسن کی دعا
محمد حنفیہ کا عزیز بھائی
علی اکبر کا چاہنے والا
حسین کی آنکھوں کا نور
فاطمہ کا بیٹا
رسول کی تمنا
شجاع
علمدار
صابر
مستقل مزاج
وفاؤں کا مرکز
جعفر کی یادگار
ثابت قدم
ام البنین کا چراغ

فہرست — نظارہ یادگار عباس نمبر لکھنؤ — مضامین

اس نمبر کی اشاعت کے بعد دفتر نظارہ میں عشرہ محرم کی تعطیل رہیگی ناظرین ۲۸ جنوری کے پرچہ کا انتظار فرمائیں

نوجوانی کہہ رہی ہے کوئی بیگانا نہیں

"انیس نغمہ" دعبل ہند حضرت ذاکر لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کا بہترین نوحہ

بولے شہ اکبر تڑپ کر ہم کو تڑپانا نہیں ۔ دل کی برچھی نزع میں کھٹکے تو گھبرانا نہیں

ہیں تمہارے حسن کے دن اور ہماری موت کے ۔ باپ سے پیری میں اپنی لاش اٹھوانا نہیں

ہجر میں بیتابیاں میری تمہارا چھوٹنا ۔ ہے بیان درد دل دنیا کا افسانہ نہیں

پانی پیتے ہیں تو تھم کر چلنے والے راہ کے ، ۔ باپ جب تک آ نہ لے کوثر پہ تم جانا نہیں

مصطفیٰ کے دیکھنے والو ادھر بھی دیکھ لو ۔ نوجوانی کہہ رہی ہے کوئی بیگانا نہیں

جتنی گھڑیاں زندگی کی ہوں غنیمت جاننا ۔ اٹھنے والی نوجوانی کی قسم کھانا نہیں

دوست کی بو قلب دشمن پر کبھی آتی نہیں ۔ جنگ میں برچھی کا پھل سینے سے لپٹانا نہیں

زخم کھاتے رن میں لیلا دیکھ سکتی ہی نہیں ۔ ماں جگر تھامے جدھر ہو اس طرف جانا نہیں

نزع والے ہی سمجھتے ہیں گو دن کا لوٹنا ۔ یہ لہو کا جوش ہے زلفوں کا بل کھانا نہیں

- دیکھ لے ذاکر یہ بھی تو رستہ کوثر کا ہے
آنسوؤں میں جوش اگر آئے تو گھبرانا نہیں

نظارہ لکھنؤ

جلد ۱۲ | ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء یوم چہارشنبہ | نمبر ۹

یادگار عباسؑ نمبر کیوں کر نکلا؟

(مولا کا معجزہ)

بعض لوگ تو شق القمر، اور معراج جسمانی کے بھی قائل نہیں اس لئے اُن سے ہمارا روئے سخن نہیں البتہ جو حضرات جانتے ہیں کہ حسین کی روحانیات اور درجات عالیہ انسانی عقل و فہم سے بہت بلند ہیں اور شہدائے کربلا قرآنی حکم کے تحت زندہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ عباس اور حسین جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں آج بھی مقدمات کے فیصلوں سے عدالتیں عاجز ہو جاتی ہیں تو عباس کی روحانیت فیصلے کرتی ہے ملزموں کو دربار عباس سے سزا ملتی ہے اور بے خطاؤں کو عباسؑ کا رحم بری کر دیتا ہے

میں جس خلوص و محبت سے یہ نمبر نکالتا ہوں اسکو صرف جناب عباس ہی جانتے ہیں اور اسی خلوص کیوجہ سے اس نمبر کی اشاعت کے موقع پر ہر سال کوئی نہ کوئی معجزہ میری عقیدت کی آنکھیں دیکھ لیتی ہیں۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ نظارہ کی آمدنی جب خود نظارہ ہی کے لئے کافی نہیں ہوتی تو کسی خاص نمبر کو اس آمدنی میں کیسے نکالا جا سکتا ہے اس لئے عباس کے چاہنے والے اس نمبر کی مدد کرتے ہیں۔ میرا دل یہی چاہتا ہے کہ ان امداد کرنے والوں کے نام بھی لکھوں یا خود جناب عباس ہی کو معلوم ہوں ورنہ محبت کا اظہار عقیدت کیلئے مفید نہ ہوگا

اس نمبر کی ہر سال ایک وقف کی جانب سے سالانہ امداد ہوتی تھی مگر سال گذشتہ امدادی رقم کا دو تہائی حصہ وضع کر دیا گیا۔ اس امداد بند کر دینے کا نتیجہ کیا ہوا یہ ہم سے نہ پوچھئے بلکہ اُن متولی صاحب سے دریافت فرمائیے جن کے سبھی رشتہ دار مستحقین کے

گلے کاٹتے رہتے ہیں، علت تو یہ ہے کہ سال گذشتہ رقم امداد
یادگار عباس نمبر کے وضع کرنے کے ایک مقتدر ہاکے اندر غیبی
طاقت نے اون کی مدد بھی بند کر دی اور اجتک بند ہے اور
شاید اُس وقت تک بند رہے گی جبتک یادگار عباس نمبر
کی مکمل مدد نہیں کی جائے گی۔ اب کی سال مجھ سے وعدہ کیا
اور کہا کہ انشا اللہ نظارہ کو جتنی مدد ہر سال دیجاتی تھی
اوتنی ہی دی جائے گی مگر نتیجہ یہ نکلا کہ اب کی سال گذشتہ
کی بھی نصف رہ گئی یعنی یہ مدد لینے کو تیار نہ تھا
لیکن ایک قبلہ و کعبہ نے ارشاد فرمایا کہ اتبک
قوان کی زیادتیاں ہیں لیکن اگر تم نہ لوگے تو یہ تمھاری زیادتی
ہوگی اور عباس ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے یہ وضع شدہ
رقم بھی اُن کے انھی قرابتدار کے کام آئی جن کا اخبار محض
مستحقین کا گلا کاٹنے کے لئے نکلتا ہے۔ یعنی ہم اگر یہ سمجھ لیتے
کہ شیعہ مرحوم نمبر یا سرفراز محرم نمبر کی خدمت کی گئی تو کسی شکوہ
کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جس طرح نظارہ خدمت قومی کر رہا ہے
اوسی طرح یہ اخبارات بھی مذہبی خدمات میں منہمک ہیں مگر
یہاں تو سوال مستحقین کا نہیں بلکہ قرابتداروں کا ہے۔ اگر
چہ رسول کا حکم قرابتداروں کی مدد کرنے کے متعلق ضرور موجود
ہے لیکن معاف کیجیے گا یہ نسبی قرابتداروں کیلئے ہے سببی
قرابت داروں کے لئے نہیں۔

مختصراً یہ قصہ سننے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ کاغذ دن بدن
گراں، سیاہی روز بروز مہنگی، اجرت کتابت کا اضافہ بھی
مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ سال گذشتہ
اس نمبر میں جتنی کل رقم صرف ہوئی تھی وہ اب کی محض کاغذ
میں صرف ہوئی اور دیگر اخراجات کا پوچھنا ہی بیکار ہے ہماری
سمجھ میں اتبک یہ مسئلہ نہ آیا کہ امدادوں کے بند ہو جانے
اور گرانی کے بڑھ جانے کے بعد اب کی یہ نمبر کیوں کر نکلا اس لئے
مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ یہ ابکی سال کا معجزہ ہے۔

معذرت!

ہم کو تلی کے نور نظر حضرت عباس علیہ السلام کی بارگاہ
میں اس کا اعتراف کرنا ہے کہ باوجود ہزار کوشش کے
ہم جیسا چاہتے تھے ویسا نمبر نہ نکل سکا۔ اور وقت پر بلاکوں
کی اجرت دوگنی ہو جانے کی وجہ سے اور بھی ہمت پست
ہو گئی اس لئے امید کہ جناب عباس علیہ السلام ادارہ
نظارہ کے اس ناچیز ہدیہ کو قبول فرما کر کارکنان نظارہ
کو عزت بخشیں گے اور خامیوں کو نظر انداز فرمائیں گے۔

یادگار عباس نمبر کی قیمت کا مجبوراً اضافہ

نظارہ میں اس متبرک نمبر کی قیمت کا اعلان فی پرچہ چھ
آنہ کیا گیا تھا لیکن عین وقت پر بلاکوں اور کاغذ کی مزید
قیمت کے بڑھ جانے کی وجہ سے دو آنہ فی پرچہ کا اضافہ
کرنا پڑا یعنی اس نمبر کی قیمت بجائے چھ آنے کے آٹھ آنے
علاوہ محصولڈاک ہے ناظرین و ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں

اعلیحضرت رام پور کی لکھنؤ تشریف آوری

رام پور کی رعایا اور مومنین کی دعاؤں نے الحمد للہ
کہ باب اجابت تک رسائی حاصل کی اور اعلیحضرت ہزہائینس
رام پور دام اقبالہم و ملکہم مع الخیر محاذ جنگ سے ۶ ر
جنوری کو واپس تشریف لے آئے۔ رعایا نے جس شان سے
اعلیحضرت کا استقبال کیا ہے شاید وہ رام پور کی تاریخ میں

اپنی آپ ہی نظیر ہے۔

۲۷ ذی الحجہ کو اعلیحضرت لکھنؤ تشریف لائے اور بعدہ بہادر کی نسبت عالیمرتبت واجدہ صاحب پیر پور کی صاحبزادی سے صاحبہ قرار پاتے ہوئے رسم امام ضامن انجام پائی۔ لیکن چونکہ یہ نمبر ایام عزا میں نکل رہا ہے اس لئے اپنے اظہار مسرت و مبارکباد کو ہم ایام عزا کے بعد کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔ اعلیحضرت درگاہ حضرت عباس علیہ السلام بھی تشریف لے گئے۔ مدیر نظارہ رام پور اسپیشل کی روانگی کے وقت حسب معمول اسٹیشن پہونچا حسن اتفاق کہ پلیٹ فارم پر پہونچتے ہی اعلیٰ حضرت کے پرنور چہرہ پر نظر پڑی میں نے جھک کر سلام کیا اور اعلیحضرت نے محبت بھرے لہجے میں مجھے دیکھتے ہی بہت دور سے ارشاد فرمایا کہ

"ایڈیٹر صاحب مزاج اچھا ہے"

یہ الفاظ تابکے میرے دل کی گہرائیوں میں موجود ہیں اور رہیں گے۔

آہ فخر قوم سید حیدر مہدی!

یادگار عباس نمبر کی تمام کاپیاں پریس جا چکی تھیں کہ یہ روح فرسا اور دل ہلا دینے والی خبر پہونچی کہ فخر قوم جناب سید حیدر مہدی صاحب ایڈوکیٹ نے الہ آباد میں انتقال فرمایا۔

حیدر مہدی صاحب کے خدمات قومی دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں افسوس کہ قوم کا کام کرنے والے برابر اٹھتے جا رہے ہیں۔ ہم تفصیلی نوٹ آئندہ اشاعت میں لکھیں گے۔

ہندوستان کے مشہور سوز خوان منجھو صاحب کا بھی انتقال ہو گیا،

یہ خبر بھی ہندوستان کے شیعی حلقے میں انتہائی افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جناب منجھو صاحب سوزخوان نے بھی شنبہ کو انتقال فرمایا۔ ابھی تین روز کا واقعہ ہے کہ مدیر نظارہ اپنے حقیقی بھائی حضرت سید ابو عظیم "لاما" سید اولاد حسین صاحب قبلہ شاعر مدظلہ العالی کی ہمراہی میں بغرض عیادت گیا تھا۔ مرحوم چونکہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اس لئے میرے بھائی کی صورت دیکھتے ہی رونے لگے برادر معظم نے محبت بھرے الفاظ سے تسکین دی اور کہا کہ انشاء اللہ آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے اور مجھ سے فرمایا کہ تم برابر بذریعہ خط مجھے منجھو صاحب کی حالت سے روزانہ اطلاع دیتے رہنا مگر افسوس کہ نہ مجھے نہ بھائی صاحب کو یہ معلوم تھا کہ صرف ایک دن کے بعد منجھو صاحب مرحوم اپنے ممدوح (حسینؑ) کی خدمت میں پہونچ جائیں گے، اس میں شبہ نہیں کہ مرحوم اپنے فن میں اپنی نظیر آپ ہی تھے

قطعہ!

از حضرت بہار یادگار حضرت ذاکر و جاوید

صبح ازل پیدا ہوئی ذاکران فاطمہ
شام ابد میں بھی رہیں گے پہچان فاطمہ
آخر نہ پہنچے کیوں خدا کا بھی مرحلہ
حیدر کی جا ہے نماز موالان فاطمہ

انسان کو حسین نے انسان کر دیا

فضل مدیر نظارہ کا ایک غیر مطبوعہ مشہور نوحہ

انسانیت کے اوج کا سامان کر دیا ہر اشک خوں کو نوح کا طوفان کر دیا
دشوار راہ دیکھی تو آسان کر دیا قرآں کی لفظ لفظ کو قرآن کر دیا
یوں جان دی کہ دہر پہ احسان کر دیا
انسان کو حسین نے انسان کر دیا

جنگل کو جس نے خلد کا ثانی بنا دیا، پیری کا نقش نقش جوانی بنا دیا
دنیا کے ظلم و جور کو فانی بنا دیا پانی کو جس نے چھوڑ کے پانی بنا دیا
دل جس کے پاس دیکھا مسلمان کر دیا
انسان کو حسین نے انسان کر دیا،

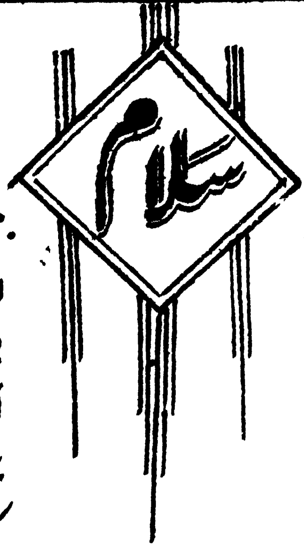
جس نے خیال زیست کو عبرت بنا دیا ہر دل کو ایک نقش محبت بنا دیا
رنگ شفق میں رنگ حقیقت بنا دیا اپنی نظر کو مرکز وحدت بنا دیا،
دنیا کو قتل ہو کے پشیمان کر دیا
انسان کو حسین نے انسان کر دیا

اک دل حسین کا تھا بہتر کے ساتھ ساتھ قاسم کے ساتھ اور کبھی اصغر کے ساتھ ساتھ
فطرت نے جب کیا دل مضطر گیا تھا ساتھ کچھ دور بڑھ گئے علی اکبر کے ساتھ ساتھ
داغ پسر کو قلب کا ارمان کر دیا
انسان کو حسین نے انسان کر دیا

دور وفا کی حد سے نکلتی رہی فرات — پیاسوں سے دور راستہ چلتی رہی فرات
رنگ فلک کی طرح بدلتی رہی فرات — پیاسے رہے حسین ابلتی رہی فرات
پانی کو شہ نے نفس پہ قربان کر دیا
انسان کو حسین نے انسان کر دیا

بربادیوں کا راز تھا نور سحر نہ تھا — وہ رنگ کون سا تھا جو پیش نظر نہ تھا
اے فضل اضطراب کا پہلو مگر نہ تھا — اکبر کی یادگار تھا زخم جگر نہ تھا

ظلم و جفا کو صبر سے بیجان کر دیا
انسان کو حسین نے انسان کر دیا



ہے ولا کس کی ولائے ابن حیدر کا جواب
سر جھکا رہتا ہے باطل کا ہمیشہ پیش حق
ذوالفقار حیدری پر تھا بھرا کس قدر
منتشر تھی ایک ہی حملے میں فوج ابن سعد
اللہ اللہ یہ غلام شاہ دیں کا مرتبہ
وہ مصائب کا ہجوم اور یہ شکر اللہ اکبر
آج تک ہے داغ بنکر مومنوں کے قلب میں
پہلے ناری تھا ہدایت پا کے نوری ہو گیا
کربلا میں سخت پر اصغر تشنہ دہن

جبکہ ممکن ہی نہیں سبط پیمبر کا جواب
اکبر سے نہ تھا ممکن پیمبر کا جواب
تھے اکیلے حضرت شبیر لشکر کا جواب
کون دے سکتا تھا عباس دلاور کا جواب
ہو نہیں سکتا ہے سکندر سے بھی قنبر کا جواب
غم نہیں کوئی غم سجاد مضطر کا جواب
حرملا کا تیر اور معصوم اصغر کا جواب
کوئی بھی قسمت نہیں حر کے مقدر کا جواب
بن گئے ہیں راکب دوش پیمبر کا جواب

زائر شبیر ہوں افضل مجھے اس کا ہے فخر
ہے بھی دنیا میں کہیں میرے مقدر کا جواب

از جناب سید افضل حسین صاحب
افضل الرضوی لکھنوی

پانچ پیغامات

از حضرت فاطمہؑ

رسولؐ سے

[illegible]

علیؑ سے

[illegible]

فاطمہؑ سے

[illegible]

حسنؑ سے

[illegible]

حسینؑ سے

[illegible]

محبت کی حقیقت

(از جناب سید نواب علی صاحب سفیر سندیلوی)

دے گئے سارے زمانہ کو محبت کا سبق
عشق کی تصویر کامل حضرت عباس ہیں

دنیا میں انسان کے اخلاقی صفات میں محبت بھی ایک صفت ہے جسمیں سب سے ممتاز درجہ عشق کہلاتا ہے۔ عشق محبت میں کمال کی انتہا ہے عشق بڑی قابل قدر چیز ہے۔ عشاق کے حالات دیکھکر اہل عالم نے عاشق کی دو قسمیں ہیں ایک مجذوب ہے، دوسرا سالک، مجذوب وہ عاشق کہا جاتا ہے جو محبت کی کسی منزل پر پہونچکر قوت عقلیہ سے محروم ہو گیا ہو اور اپنے ہوش و حواس میں نہ رہے، اور سالک وہ ہے جو قوت عقلیہ سے کام لے اور منزل عشق میں باہوش و حواس رہے عقل سلیم عاشق کی پہلی قسم مجذوب کو ناقص سمجھتی تھے اور اس حالت کو ایک جسمانی مرض تصور کرتی ہے جسمیں بلا دعوی عشق بعض لوگ مبتلا نظر آتے ہیں ایسا شخص جو محبوب کی منشاء کا احساس نہ کرسکے۔ اوسکو عاشق بتانا عشق کی توہین ہے عاشق کی دوسری قسم سالک ہے در حقیقت یہی ایک قسم عاشق کی ہے جسمیں قوت عقلیہ موجود ہو اور باہوش و حواس ہو اور محبت کی منزل میں عاشق کا دل کسی قوت یا اثر سے مغلوب نہ ہو یوں تو عشق و محبت کے بے شمار افسانے فرضی یا اصلی دنیا میں مشہور ہیں اور شعرا کی عاشق گر جماعت عشق کے ناممکن العمل اور خلاف فطرۃ انداز سے آئے دن دنیا کو بتایا کرتے ہیں۔ درحقیقت محبت ایک ایسی انسانی صفت ہے جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے زندگی کا دارومدار محبت پر ہے جب روح اور جسم میں محبت نہیں رہتی تو موت آجاتی ہے اور انسان فنا ہو جاتا ہے لہٰذا ہر شخص کو اپنی بقا کیلئے درس محبت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کامل درس سرزمین کربلا پر ملیگا جو سنہ ۶۱ھ میں دسویں ماہ محرم کو دیا گیا۔

۲ محرم کو سالکان راہ رضا عاشقان خدا کا ایک قافلہ صحرائے کربلا میں پہونچا۔ جہاں انسانی راحت کا کوئی سامان نہ تھا موسم گرما، زمین ریتیلی، سایہ لاپتہ، یہ تمام چیزیں باعث تکلیف تھیں۔ لیکن ایک دریا کا بہتا ہوا پانی ضرور تسکین بخش تھا۔ ایسی منزل کے مسافروں کے لئے سب سے بڑی نعمت پانی تھی جو انپر بند کر دیا گیا۔ پیروں کے نیچے جلتی ریت۔ سر پر آفتاب کی تپش ریگستان میں گرم ہوا کے جھونکے میں، اتنے دشمنوں میں گھر کر ایک ایک بوند پانی کو ترسنا جبکہ دریا نظروں کے سامنے موجزن ہو۔ جانوران صحرائی سیر و سیراب ہو رہے ہوں کوئی معمولی بات نہیں۔

اور یہ سخت ترین مصیبتیں صرف اتنی بات پر کہ باطل کو حق مان لو
لیکن سالکان راہ حق اس سے مرعوب اور مغلوب نہ ہوئے،
تین دن یوں ہی گذر گئے، یوں تو سب ہی بیتاب تھے۔ لیکن چھوٹے
چھوٹے بچوں کی تشنگی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس عاشقان خدا حسینی
قافلہ کے علمبردار قمر بنی ہاشم جناب عباس حسین کے بھائی تھے
جو اتنے بڑے شجاع تھے کہ حسین نے ان کو دشمنوں سے اذن جنگ
نہیں دیا۔ اسوجہ سے کہ یہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے لیکن
جب حسین کی چھوٹی بچی سکینہ نے صدائے العطش بلند کی تو چچا سے
بھتیجی کا تڑپنا دیکھا نہ گیا۔ مشکیزہ لے کر نہر سے پانی لانے کی اجازت
حاصل کی اور تنہا گھاٹ پر پہونچ گئے۔ سیکڑوں گھاٹ کے محافظ
تھے لیکن کوئی جناب عباس کو روک نہ سکا۔ گھوڑا دریا میں ڈالدیا
مشک بھرلی اور خود اپنا منھ پانی سے پھیر لیا اور گھوڑے نے بھی
پانی میں منھ نہیں ڈالا۔ جناب عباس مشکیزہ لیکر خیام الحرم
کی جانب پلٹے جہاں چھوٹے چھوٹے بچے منھ پھیلائے ہوئے پانی
کے منتظر تھے۔

عاشق کے ہوش و حواس

گھاٹ سے تھوڑی دور جانے کے بعد ایک نابکار دشمن
نے پیچھے سے تلوار لگائی جس سے عباس کا ایک بازو کٹ کر
زمین پر گر گیا عباس نے مشکیزہ کو دوسرے ہاتھ سے تھام لیا
اور کٹا ہوا ہاتھ وہیں چھوڑا اور خیمہ کی طرف چلے۔ تھوڑی دور پر
پھر ایک شقی نے دوسرا بازو بھی قلم کر دیا۔ جناب عباس نے فوراً
مشک کا تسمہ اپنے دانتوں سے تھام لیا۔ اور دوسرا ہاتھ بھی ہیں
چھوڑا اور خیمہ کی طرف بڑھے ہوش و حواس میں مطلق فرق نہ آیا
دونوں ہاتھ کٹ جانے پر بھی پیاسوں کی امانت نہ چھوڑی،

اس کے بعد کیا ہوا۔ ایک شخص نے دور سے تاک کر ایک ایسا
تیر مارا جو مشکیزہ پر پڑا اور سینۂ عباس میں پیوست ہو گیا۔ مشک
کا پانی اور عباس کا خون دونوں ملکر زمین پر بہے۔ جناب عباس
بھی وہیں پر رک گئے اور گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور اپنی
نگاہوں سے دل کی تمنا دیکھنے لگے جس کا خون ہو چکا تھا۔
اسی حالت میں ایک ظالم نے گرز مارا جس سے سر مبارک
شق ہو گیا۔ آنکھیں بھی خون سے بند ہو گئیں۔ بھائی کو آواز
دی حسین اپنے بھائی کا سر زانو پر رکھ لیا آنکھوں سے خون صاف
کیا عباس نے حسین کو نگاہ بھر کے دیکھا اور عرض کیا کہ میری لاش
خیمہ پر نہ لے جایئے گا میں سکینہ سے شرمندہ ہوں اس کے بعد
روح جسم سے پرواز کر گئی۔

یہ ہے محبت کا مسلک اور عشق کی کامل تصویر جس میں
خدا ترسی، دوسرے کی تکلیف کا احساس، رحم و کرم، صبر و
استقلال، وفاداری، تمام چیزیں بیک وقت کامل نظر آتی
ہیں اور عاشق کی قوت عقلیہ میں آخر دم تک فرق نہیں
اور کوئی اثر یا خوف محبت کی راہ کو روک نہیں سکتا۔ جناب
عباس نے راہ محبت میں دونوں ہاتھ کٹوا لئے اور وہیں چھوٹے
لیکن مشکیزہ کو بچایا اور دانتوں سے دیا۔ لیکن جب پیکان
تیر سے مشکیزہ کا پانی بہا یا گیا تو عباس کا خون بھی اس پانی
میں شامل ہو گیا۔ خون پانی کر دینے کی مثل دنیا میں مشہور ہے
جس کی حقیقی مثال زمین کربلا پر ملے گی۔ اور ذرات خاک اس کی
گواہی دیں گے۔ خون تمنا کا محاورہ جو مشہور ہے اس کی حقیقی
تصویر بھی یہی واقعہ ہے۔

"شجاعت"

از جناب مولانا سید ابو الحسن صاحب قبلہ مد ظلہ

شجاعت ایسی بہترین صفت اور بلند پایہ کمال ہے جو انسان کو مرکز محبت بنا دیا کرتی ہے اس شمع کے روشن ہوتے ہی قلوب عالم پروانہ وار طواف کرتے ہیں گویا وصف شجاعت سے متصف ہوتے ہی انسان کعبۂ محبت بنجاتا ہے بچے جوان، بوڑھے، مرد عورت سب کے دل شجاعت کا دہنی موہ لیتا ہے فقیروں کو دیکھئے تو وہ بھی بہادر کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتے ہیں سلاطین اور منعم کے درباروں میں نظر کیجئے تو وہاں بھی سینے میں بہادر دل رکھنے والا کرسی عزت و مسند عزت پر جلوہ گر نظر آتا ہے اللہ ری شجاعت کی جاذبیت کہ اصناف نوع انسانی میں سے کوئی صنف ایسی نہیں ہے جو آستانۂ شجاعت پر جبیں سائی کرتی نظر نہ آئے آخر اس کی کوئی وجہ اور کوئی سبب بھی ہے یا نہیں کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے ہر شئے کے لئے اسباب و علل ہیں انتہا یہ ہے کہ عالم امکان کے عرصۂ وجود میں جلوہ آرائی کا بھی سبب ہے اگر سبب وجود عالم امکان نہ ہوتا تو پردۂ عدم پڑا رہتا اور کوئی چیز جلوہ گاہ شہود کی زینت نہ ہوتی الغرض جب ہر شئے کے وجود و ظہور کا سبب علت ہے تو آیئے ذرا ہم جستجو کریں کہ جو شخص صفت شجاعت

زیب ہوتے وقار و سکون سے تخت ثبات عقل پر رونق افروز ہوتا ہے لوگوں کی محبت میں اسیری کا کوئی سبب ہے اور کونسا سبب ہے، ہمارا تفحص و تتبع احادیث رسول یا آیات قرآنی تک محدود ہے سبب جستجو کی سعی ختم ہو گئیں مسافر فکر منزل مقصود پر پہنچ گیا قرآن و حدیث کے مطالعہ سے دیدۂ دل روشن ہو گیا نقاب خفا اٹھ گئی، جلوۂ مقصود سامنے آگیا لیکن تجاہل عارفانہ سے بعض بھی سمجھتا ہوں حدیث میں ہے کہ شجاع کے حق میں بددعا نہ کرو کیونکہ بہادر انسان اس وقت خدا کی بنا پر قدم پیچھے کرتا ہے جب اس کے دشمن کا انکار نار میں فرار کی طرح چمکتا ہوا دیکھتا ہے جب سب کو بھاگنے کی پڑی ہوتی ہے اور بہادر اس خطرناک عالم میں قضائے خداوندی پر راضی ہو کر آتا ہے یعنی جب کہ بہادر اس عالم پر بہادر کو اعتماد ہوتا ہے اس لئے خلاق عالم اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اس حدیث کے لکھنے کے بعد کسی اور حدیث یا آیۂ قرآنی کے لکھنے کی احتیاج نہیں ہے لیکن حسن عقیدت کی بنا پر اس قدر اضافہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی آیتیں بھی بہادر کی ستائش میں مشغول نظر آتی ہیں یہ بہادروں کی سیرت کے بیان سے لبریز ہیں ان کی تعلیم نرم...

مدح کرنا بھی محبت والوں کی دلیل ہے لیکن دلیل اجمالی ہے اور
واضح نہیں ہوتا کہ مادح کو ممدوح سے محبت ہے لہٰذا خداوند
عالم نے صراحتاً ارشاد فرمایا کہ ان اللہ یحب الشجاع۔ خدا بہادر
کو دوست رکھتا ہے اور بعض دوسری حدیثوں میں اتنا اور
زیادہ ہے کہ ولو بقتل الحیۃ یعنی خداوند عالم مرد شجاع
کو دوست رکھتا ہے اگرچہ وہ شخص ایک سانپ کے مارنے میں بہادری
کیوں نہ دکھائے۔ بالحاصل بہادری اور شجاعت کو علماء اخلاق نے سخاوت
کی عظیم المرتبت صفت سے بھی افضل و بہتر بتایا ہے کیونکہ سخاوت
کرنے والے اپنی پونجی اور گاڑھی کمائی میں سے خدا کی راہ میں خیرات کرنیکو
نکلتے ہیں اور شجاعت اموال و نفوس دونوں کو خدا کی راہ میں
لٹا دینے کا نام ہے لہٰذا شجاعت و سخاوت سے مرتبہ میں ایک درجہ
زیادہ ہے۔ شجاعت کے اکثر مرقع عالم امکانی کی زینت ہیں
اور سبب نازش و افتخار انسانیت میں مگر شجاعت کے جن جواہر ول
سے بنی ہاشم کے بازوؤں نے بازار عالم کو سجایا ہے ویسے بیش بہا
اور انمول جواہر سلاطین کے خزانوں کو بھی نصیب نہیں ہیں،
بنی ہاشم کی شجاعت کے سامنے بہادروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں
اور ان کی بہادری کے کارناموں کے سامنے دنیا کی بہادری
بھولا ہوا افسانہ ہو جاتی ہے۔ ایک خاندان میں ایک بہادر
ہوتا ہے تو دنیا اوس سے کانپتی رہتی ہے چہ جائیکہ جس کے
سب شجاعت میں یگانہ روزگار اور شیران نیستان جنگ و حرب
ہوں لیکن پھر بھی عبدالمطلب کی اولاد تمام بنی ہاشم میں
بلحاظ شجاعت بھی ممتاز تھی بالخصوص غالب کل غالب
مولانا و مقتدانا و سیدنا امیرالمومنین علی ابن ابیطالب سے
بوجہ اتم و اکمل صفت و شجاعت کا ظہور ہوا حضرت علیہ السلام
میدان جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بھاند پڑتے تھے اور جس
مقام پر دشمن کا لشکر سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوتا تھا حضرت
علی وہیں تلوار کھینچ کر ڈوب جاتے تھے اور لشکر کے گہرے پانی
کو آب ذوالفقار سے کاٹ کر صاف ستھرے نکل آتے تھے۔
حضرت علی علیہ السلام کی اس بلندی ہمت و یگانہ روزگار شجاعت
کو دیکھ کر ہوا خواہ تعجب کرتے تھے اور آپ سے عرض کرتے تھے
کہ اے امیر آپ کی شجاعت اور جرأت سے ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے
آپ اپنی ذات کی جو گوہر نفیس ہے حفاظت فرمائیے حضرت
علیہ السلام اُن سے جواب میں ارشاد فرماتے تھے کہ اگر موت آچکی
ہے تو ڈرنا مفید نہیں ہے اور حکم موت و فنا دیوان قضا سے صادر
نہیں ہوا ہے تو مجھے میری جرأت نقصان رساں نہیں ہے حقیقت
کے چہرۂ پرنور سے نقاب کشائی کرنے والے ہاتھ اور مجازات کے
عمیق سمندر میں غواصی کر کے گوہر حقائق نکالنے والے اہل عرفان
حضرت علی کے اس جواب کو صرف انتہائی شجاعت اور کمال علو ہمت
کا آئینہ نہیں سمجھتے ہیں بلکہ آپ کے اس جواب کو ان حقانی و ربانی
شعاعوں کا پرتو سمجھتے ہیں جن شعاعوں کو معرفت الٰہی کے
آخری مرتبہ پر بلند ہونے کے بعد انسان اپنے دل میں جذب کر کے
اس زبردست توکل و اعتماد کو عملی طریقہ سے ظاہر کرنے پر قدرت
حاصل کر سکتا ہے دیکھو قرآن مجید بھی یہی سبق دیتا ہے کہ موت سے
بھاگنا جہاد سے منہ موڑنا عبث ہے۔ موت آگئی تو کہیں زندگی
نہیں موت نہیں تو کہیں مرنا محال ہے (اینما تکونوا یدرککم
الموت) حقیقت یہ ہے کہ افراسیاب اور رستم زال کی شجاعت کے
کارنامے دیکھئے مگر شجاعت کی حد آنکھوں کے سامنے رہی بہادری
کے خطوط ملتے چلتے چلے گئے کوئی اچنبھا نہ ہوا۔ مگر علی نے ایسے

شجاعت کے سیلاب بہا دیے کہ اب شجاعت کے حدود نہ رہے،
اور شجاعت ناپید اکنار ہوگئی۔ افراسیاب نے بھی بہادر کی ترغیب
تحریص کی ہے اوس کے شجاعت انگیز الفاظ و کلمات نظر سے گذرے
ہیں مگر وہ زود اثر نہیں جیسے تن مردہ میں روح دوڑ جائے افراسیاب
اپنے سپاہیوں سے کہتا ہو کہ مرنیکو اچھی نگاہوں سے دیکھو گے
تو زندگی زیادہ ہوگی مرنے پر آمادہ رہو گے تو سرمایہ عزت و دولت
ہاتھ آئے گا ہاں ہاں ان کلمات میں تاثیر ہے بہادری کا زور
بھر دینے والی لفظیں ہیں مگر روح پھونکنے والی نہیں ہیں ایسے
کلمات اگر دیکھنا ہیں تو پھر وہاں تک رسائی ضروری جس نے
دنیائی شجاعت کی شاہی کی ہے اور جس کے قدموں پر بہادری لوٹتی
تھی علی میدان نبرد جوہر شجاعت دکھا کر اپنے لشکر میں واپس ہوئے
ہیں اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ اے امیر اسقدر ہمیں کرتا پہنے ہوئے
جنگ کے شعلوں میں نہ گھس جایا کیجئے آپ فرماتے ہیں علی کو
جوش شجاعت میں اس کی پرواہ نہیں کہ وہ خود موت پر گر پڑے
یا موت اسپر ٹوٹ پڑے۔ قسم بخدا علی تو موت سے یوں کھیلتا
ہے جیسے طفل بپستان مادر سے کھیلتا ہے دوسرے موقع پر ارشاد
فرماتے ہیں علی کے سر پر ایکہزار تلواریں پڑنا بستر پر پڑ کے مرنے سے
آسان ہیں ؎

مرگ در چشم ہر کہ خوار بود
اثر شجاعت بزرگوار بود
ہر کہ جاں را عزیز میدارد
با جہاندارلیش کہ کار بود

اس میں شک نہیں کہ مال اور جان کا راہ خدا میں نذر
کردینا شجاعت ہے مگر علی کے نزدیک یہ شجاعت ناقص شجاعت
تھی علی کی حکیمانہ اور حقیقت بین نگاہوں سے شجاعت کے اوس
جز کو بھی بڑی تیزی سے دیکھ لیا جن کو ظاہری نگاہیں دیکھنے سے
عاجز تھیں علی نے گویا کہا کہ اسی شجاعت کے شیدائیوں شجاعت
اپنی انتہائی بلندی پر اوس وقت تک نہ پہونچے گی جب تک
اولاد کو بھی نذر راہ خدا نہ کیا جائے چنانچہ اس مقصد کی بلند
آہنگی کو نظر میں رکھتے ہوئے علی کے ایسے عملی انسان نے عقیل
کو جو انساب عرب سے خوب تر واقف تھے منتخب فرمایا اور ارشاد
کیا کہ اے عقیل میرا مقصد یہ ہے کہ میں کسی بہادر خاندان میں عقد
کروں جس سے ایک بہادر لڑکا پیدا ہو اور وہ یوم عاشور
کربلا میں حسین کی نصرت کرے۔

صبح عاشور

یہی واقعہ جو اوپر لکھا گیا ہے زہیر قین نے بایں الفاظ
کربلا میں صبح عاشور کو جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام بیان
کیا کہ اے عباس حضرت علی نے آپ کو اسی دن کیلئے ذخیرہ فرمایا
تھا آج اپنے بھائی کی نصرت میں کمی نہ کیجئے گا بس ہاشمی و
علوی کی رگوں میں خون حیدری جوش کھا گیا اور بہادرانہ
شان شوکت سے ایسی قیامت خیز انگڑائی لی کہ رکابوں کے
تسمے ٹوٹ گئے فرمایا اے زہیر تم مجکو جوش شجاعت دلاتے ہو
تو سہی آج میں ایسی جنگ کروں کہ تم نے آنکھ سے بھی نہ دیکھی ہو
رہا نہ کیا حقیقت یہ ہے کہ علی کے جوان شیر نے ایسی قیامت
انگیز جنگ کی اگر زہیر زندہ رہتے اور شہید نہ ہو چکے ہوتے
تو انگشت بدنداں ہو جاتے زہیر تو نہ رہے مگر ہاں تاریخ،
اور جنگ کی سختی سے واقف کار آج تک عباس کی شجاعت
سے متعجب اور محو حیرت ہیں۔ جب دلیں انصاف کی تڑپ ہو

اوس سے پوچھو کہ میدان جنگ میں جانے والوں کے لئے کتنے سامان
آسائش و آرام ہوتے ہیں عباس کے لئے کیا سہولت تھی کربلا
کی کہانی تپڑ ہو تین دن کی پیاس دوستوں کے مرنے کا غم بھائی
بھتیجے کی جدائی سے جگر زخمی بھائیوں کے مرنے سے دل نڈھال
سیدانیوں کی پریشانی کا صدمہ بچوں کی پیاس سے تکلیف اعدا
کے طعنوں کا غم آقا کی بیکسی کا الم اور اگر یہ بھی بات مان لیجائے
کہ ایک فرزند بھی عباس نے اپنے سید و آقا پر فدا کیا تو بیٹے کے
مرنے کا داغ بھی دل پر لئے ہوئے دن بھر کی دھوپ سے اور پیاس
بڑھتی ہوئی اور اگر جناب علی اکبر کا حضرت عباس سے قبل شہید ہونا
اختیار کیا جائے تو پھر مجاہدین میں حضرت عباس علیہ السلام کی
ذات اقدس پیاس کی تکلیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ
اور امام حسین علیہ السلام سے کم ثابت ہوگی مگر جب یہ شیر بیشۂ
شجاعت اپنی پیاری بھتیجی حسین کی لاڈلی بیٹی کیلئے نہر فرات سے
پانی لینے جاتا ہے تو ایک ہی حملہ میں چار ہزار سواروں کو
جو آب و غذا سے سیر ہوتے ہیں جن کے دل خوش و خرم رہتے ہیں،
مار کر بھگا دیتا ہے شیر اسد حق نہایت اطمینان کے لمحوں میں
بھتیجی کی مشک بھی بھرتا ہے اور پانی کو چلو میں لیکر وفاداری
پر قربان کر کے پھینک ہی دیتا ہے حسین اور اُن کے بچوں کی طرح
علی کا شیر پیاسا مشک بھر کے نکلتا ہے اب بھاگی ہوئی فوج
کو ہوش آتا ہے یا کسی تدبیر سے اُن کو سرداران لشکر گھیر کر مقابلہ
کیلئے لاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس فکر سے تمام فوج نے ملکر محاصرہ
میں علی کے بہادر کو لے لیا ہو اگر یہ پانی سے سیراب ہوگیا تو پھر
اس کے پنجہ سے نجات نہیں ہے۔ لہٰذا مشک خیمہ تک پہونچنے
سے پہلے ہی قسمت کا فیصلہ کر لو۔ اور پیاسے شیر کو تا امکان
مار لو اور ممکن ہے کہ فوج نے سمجھ لیا ہو کہ عباس کو صرف خیمہ تک
مشک پہونچانا ہے اور جنگ کا ارادہ نہیں ہے اس لئے تمام
بھاگی ہوئی فوج سمٹ آئی بلکہ وہ چند ہو کر فوج آئی اور
علمدار لشکر حسین کو گھیرے میں لے لیا۔

حضرت عباس نے بھی تلوار گھسیٹ لی اور مشک سکینہ
پہونچانے کے لئے خیمہ تک راہ پیدا کرنے کی کوشش شروع
کر دی حضرت عباس کی تمام تر توجہ مشک سکینہ ہی پر مبذول
رہی اور یہی جد و جہد رہی کہ بھیڑ کو ہٹا کر مجمع کو پھاڑ کر
خیمہ تک پہونچ جاؤں جان کے دشمنوں کو کمین گاہ میں آنیکا
اسی وجہ سے موقع ملگیا کہ عباس حقیقتہً جنگ کی جانب
متوجہ نہ تھے جب دشمن کمین گاہ میں آگیا اور ہاتھ پر وار
پڑ چکا تو اب تو کوئی موقع جنگ کرنے کا رہا ہی نہ تھا، لہٰذا
علمدار حسینی نے اپنی کوشش میں کوئی کمی نہ کی اور زیادتی
کر دی اور جنگ کرنے کو گویا پس پشت ڈالدیا بس پانی
پہونچانا ہی ہاتھ شانے سے جدا ہونے کے بعد مقصد قرار دیا
مجاہد کا داہنا ہاتھ کٹ جانا دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر ہو جانا
ہے مگر واہ ری عباس کی بہادری کہ بائیں ہاتھ سے بھی تلوار کے
وہی جوہر شجاعت دکھائے لیکن چونکہ عباس کے دل کی توجہ مشک
پر تھی دشمن کو اس ہاتھ کے بھی قطع کرنیکا موقع ملگیا جب دو ہاتھ
عباس کے قطع ہوگئے تو اب تو کوئی الجھن باقی ہی نہ رہی تھی
سوائے اس کے کہ مشک سکینہ خیمہ تک پہونچ جائے مجاہد نے گھوڑے کو
ایڑ پہ ایڑ دی سامنے صفیں درہم و برہم ہو جائیں۔ گھوڑا آگے
بڑھا صفیں ہٹیں مگر ساتھ ہی اس کے ایک تیر بھی مشک کے پار
ہو گیا یہیں سے اس مقصد پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عباس جنگ

نہیں کر رہے تھے بلکہ صرف پانی لے جانے کی کوشش فرما رہے تھے اور وہ اس طرح کہ پانی کا بہنا تھا کہ عباس نے بھی گھوڑے کو ایڑ نہیں دی اس کے بعد کیا ہوا۔ مقاتل لکھتے ہیں کہ عمود آہنی سے سر شق ہوا اور گھوڑے سے گرے حسین کو آواز دی، امام حسین آئے وصیت جو کرا وسی سے بھی اس امر پر روشنی پڑتی ہے عباس کو مشک پہونچانے کی طرف زیادہ تر التفات تھا حضرت عباس نے وصیت کی آقا میری لاش خیمہ میں لے جائیے گا اس لئے کہ سکینہ سے بچی کو غرم آتی ہو میں پانی پلانے کا وعدہ کر آیا تھا اور پانی نہ پہونچا سکا یہ کہتے کہتے عباس کی روح مقدس جانب گلشن جنت پرواز کر گئی اور امام حسن نے فرمایا اے بھائی تمہارے مرنے سے ہماری کمر ٹوٹ گئی اور راہ تدبیر مسدود ہو گئی۔

~~~

کربلا کی طرف

(فضل مدیر نظارہ کے قلم سے)

ہے ایک راہ اگر جاؤ کیمیا کی طرف
چلو حسین کی جانب چلو خدا کی طرف

برنگ اس طرح سے کچھ آیا ہے جلوۂ وحدت
نہ ہوتا کعبہ تو سر جھکتے کربلا کی طرف،

اسلام کا ہلال

(از حضرت اختر لغمانی)

وہ شاہ دیں وہ سر چشمۂ جمال حسین
وہ نور عین علی فاطمہ کا لال حسین،

حسین، باعث دیں کا ہے مآل حسین
ہمارے پرچم ایمان کا ہلال حسین!
~~~

وفائے عباسؑ

میں

دعبلِ ہند جناب ذاکر لکھنوی کے لاجواب نوحہ کا ایک شعر

مر کے بھی بازوئے شہ ہمراہ بھائی کے رہا
ساتھ ہی تابوت کے اب تک علم عباسؑ کا

(از رئیس لادیار حضرت ہدف اجتہادی مدظلہ)

دنیا میں ہر قوم کی ایک زبان ایسی بھی ہوتی ہے جو ہر شخص نہیں بول سکتا یہ زبان صرف وہی شخص جانتا ہے جسے فطرت نے شاعر بنا دیا ہو۔ اس زبان کا نام ہے نظم اور جو اس زبان کو بول لیتا ہے وہ ایسے شخص سے زیادہ کامیاب رہتا ہے جو عام لوگوں کی زبان (نثر) میں بات کرے کیونکہ یہ زبان ذہن کی زبان ہوتی ہے اور نظم دل کی زبان ہوتی ہے۔ دل مرکز ہے جذباتِ انسانی کا اور جذبات کے اظہار کا موثر ذریعہ صرف نظم ہے اس لیے ہر قوم میں کچھ نہ کچھ لوگ اس زبان کے بولنے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کے جذبات مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان جذبات کا طریقہ اظہار بھی مختلف ہوتا ہے۔ مناظرِ قدرت و معاملات کے لیے مثنوی، مدحیہ جذبات کے لیے قصیدہ، عشقیہ جذبات کے غزل، المیہ جذبات کے لیے مرثیہ۔

یہ تو ممکن نہیں کہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں کسی نہ کسی طرح یہ جذبات اور ان کا طریقہ اظہار موجود نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر قوم نے اپنی اپنی افتادِ طبیعت کی بنا پر کسی جذبہ کو زائد و بہتر برتا اور کسی جذبہ کو کم۔ عربی میں مرثیہ اور قصیدہ ترقی کئے ہوئے ہے کیونکہ ان میں فخر و شجاعت کے جذبات کی کثرت تھی جس کے نتیجہ میں بہادری کی مدح اور بہادر کی موت پر [illegible] کیا کرتے تھے۔ فارسی میں مثنوی و غزل عروج پر ہے کیونکہ ان میں منظر کشی و واقعہ نگاری اور عشقیہ جذبات کی کثرت تھی جس کے نتیجہ میں قصے کہانیاں اور محبت کی باتیں زیادہ بیان کی ہیں اور اردو میں نامکمل حیثیت سے تھوڑا تھوڑا یہ سب موجود ہے کیونکہ جس طرح فارسی شاعری کی بنیاد عربی شاعری کے نقشہ پر رکھی گئی اسی طرح اردو شاعری کی بنیاد فارسی نقوش پر قائم ہوئی اور جس طرح فارسی شاعری اکثر اصنافِ سخن میں عربی کی مقلد ہے اسی طرح اردو شاعری بھی اکثر اصناف میں فارسی کی پیرو ہے۔

فرق اتنا ہے کہ فارسی شاعری نے تو اپنی ہفت صد سالہ زندگی میں بہت سے ترقی پذیر پلٹے کھائے جس کی بدولت مثنوی و غزل ایسی دو بہترین صنفوں کی ایجاد بھی ہوگئی لیکن اردو شاعری کو دو سو سالہ زندگی میں سوائے فارسی کی تقلید کرنے کے کسی ایک نئی صنف کے اضافہ کی توفیق نہیں ہوئی۔

اردو شاعری کی سب سے بڑی کائنات یہ ہے کہ اس میں مرثیہ کی ترمیم کی گئی اور اس کا انداز کچھ ایسا انوکھا رکھا گیا کہ جس سے مرثیہ کی بالکل ایک نئی صورت بن گئی اسی ترمیم سے "سلام" کی ایک جداگانہ شکل ہوگئی اور اس کی دوسری شاخ نے "نوحہ" کا روپ بدل کے اپنی جگہ الگ بنالی۔

یہی ایک ایسا اقدام ہے جسے ایجاد و اختراع کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے کیونکہ عربی، فارسی میں مرثیہ، سلام و نوحہ مستقل صنفیں نہ تھیں اور جو مرثیہ تھا اس کی یہ ہیئت بھی نہ تھی، فارسی میں بعض سلام اور غمناک نوحے واقعات کربلا میں ایسے ہیں جو اپنے طرز کے لحاظ سے مکمل مرثیہ نہیں کہے جا سکتے پھر بھی انھیں مرثیہ ہی کی بگڑی ہوئی صورت کہنا چاہیئے کیونکہ یہ مضامین کے اعتبار سے پست اور نظم کے لحاظ سے سست ہیں اسی وجہ سے نہ تو مقبول ہوئے اور نہ ان کو مستقل صنف کی حیثیت حاصل ہوئی۔

عربی کا مرثیہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جسے عرب شعرا ہر اچھے مرنے والے کے لئے کہا کرتے تھے، فارسی میں مرثیہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی، محتشم و مقبل وغیرہ نے جو مرثیے کہے وہ واقعات کربلا تک محدود ہونے کے باوجود معدودے چند ہیں۔ اگرچہ یہ مرثیے بہت دل سوز و مقبول ہیں پھر بھی باعتبار صنف عربی مرثیوں کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکے۔

اردو مرثیہ کی ابتدا تو اسی مذہبی ڈھنگ سے ہوئی لیکن بطفیل امام حسین علیہ السلام میر ضمیر مرحوم نے اس کی ایک ایسی داغ بیل ڈالی جس نے اردو کے مرثیہ کو عربی و فارسی مرثیہ سے ممتاز کر دیا۔ میر ضمیر نے مرثیہ کو نظم مسدس کی شکل میں اس طرح ترتیب دیا کہ ابتدا چہرہ سے کی جس میں بہار یا طلوع سحر یا شام ہجر وغیرہ سے مناسب حال تمہید اٹھا کے کسی خاص منظر کا سماں کھینچتے ہوئے اصل واقعہ کی طرف گریز اور وہیں سے جس شہید کربلا کا حال بیان کرنا ہے اس کی اہل حرم سے رخصت، اس کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کے رزمگاہ کی طرف روانہ ہونا اور گھوڑے کی تعریف، پھر میدان جنگ میں آمد اور رجز، رجز کے بعد مجاہد کا تلوار کھینچنا اور تلوار کی تعریف، اس کے بعد فوج مخالف پر حملہ اور لڑائی، پھر شہادت اور عورتوں کی گریہ و زاری، یہ ایسی نئی ترتیب تھی جس پر میر ضمیر نے خود بھی فخر کیا ہے ؎

دنیا میں کون نظم میں کہوں یہ درد ہے میرا
اس رنگ کو جو جو کہے شاگرد ہے میرا

یہ رنگ ایسا مقبول ہوا کہ لکھنؤ بھر پر چھا گیا اور ہر شخص اسی رنگ میں ڈوب گیا بلکہ میر خلیق اور مرزا دبیر تو ہر قسم کی شاعری کو چھوڑ کے صرف مرثیہ کہنے لگے، اسی زمانہ کے آخر میں خاک پاک لکھنؤ سے میر انیس ایسے قادر الکلام نے سر بلند کیا اور مرثیہ کے دامن کو اپنی ہمت و طبیعت کی طرح وسیع دیکھ کے ہر قسم کے مضامین سے مالامال کر دیا۔ تخیل، فلسفہ، اخلاق، موعظہ، محبت، مناظر قدرت، جذبات انسانی، واقعہ نگاری وغیرہ میں سے کوئی نوع شاعری ایسی نہیں جو میر انیس کے مرثیہ میں پوری طرح ادا نہ ہوئی ہو۔

فارسی شاعری کی طرح اردو شاعری میں بھی یہ کمی ہے کہ جذبات و احساسات کے وسیع عالم میں سے صرف ایک محبت کا جذبہ لیا گیا اور اسی کی رنگ برنگی کیفیت دکھائی گئی ہے لیکن اس محبت کا دائرہ بھی اتنا تنگ ہے کہ عشق و عاشقی سے آگے نہیں بڑھتا، یہ میر انیس ہی کی قدرت بیان تھی کہ انھوں نے حکیم فردوسی کی طرح اس کمی کو پورا کیا، فردوسی نے فارسی مثنوی کو مجموعہ شاعری بنایا تو انیس نے اردو مرثیہ کو، ان کے کلام میں ہر قسم کے جذبات و احساسات نہایت موثر طریقہ سے ادا ہوئے ہیں، احباب کی محبت، بچوں کا پیار، میاں بیوی کا اخلاص، والدین کی شفقت، بزرگوں کی مہربانی، خوردوں کی اطاعت، اصحاب کا اخلاق، امام کا وعظ، مجاہدوں کا جوش بہادری، مرنے کا ولولہ، عزت نفس کی شان، حق پرستی پر اطمینان، اہل حرم کی خدا پرستی، غیرت و خودداری، عاجزی کا انداز، اسیری پر صبر، اولاد کا ایثار، سپاہ شام کی انسانیت سوز ستم شعاری اور بزدلانہ جفاکاری، غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو ان کے مرثیہ میں بخوبی موجود نہ ہو۔ اس پر فرائض واقعہ نگاری کو محل و موقع کی مناسبت سے انجام دینا انیس کی طبع رسا کا حق تھا، آج ہماری زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ دنیا کے ہر شاعر کے مقابل میں میر انیس کو اور اردو شاعری کی ہر کمی کو پورا کرنے کے لئے انیس کا مرثیہ پیش کر سکتی ہے۔

میر انیس کے بعد ماہر و نفیس کا پایہ مرثیہ گوئی میں سب سے بلند ہے۔ ماہر لکھنوی بلندی تخیل، جذبات انگیزی اور واقعہ نگاری میں حد کمال تک پہونچے ہوئے تھے لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کے مرثیے شائع نہ ہونے کی وجہ سے عام نظروں سے پوشیدہ رہے اور ان کی شاعری کا ڈنکا لکھنؤ کے باہر نہ بج سکا۔

نفیس لکھنوی نے اپنے باپ میر انیس کا فیض حاصل کیا تھا جو کچھ بھی نہ کچھ کم تھا، ان کی طبع رواں نے بھی مرثیہ میں اپنی یادگار قائم کرنا چاہی اور ایک نئے گوشہ کا "ساقی نامہ" کے عنوان سے اضافہ کیا، جب کوئی مجاہد دار و گیر جنگ اور پیاس کی شدت میں ایک حد تک جہاد کر لیتا تو ساقی (امیر المومنین) سے خطاب کر کے مئے تولا کے طالب ہوتے اور اسی سلسلے میں میخانہ کا سماں بھی دکھا دیتے جس کی پیروی بعد کے تمام شعرا مرثیہ گو نے کی لیکن جناب ذاکر لکھنوی کی جدت پسند طبیعت نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساقی نامہ کے مضمون میں واقعہ نگاری کا اضافہ کر کے ایک نیا راستہ پیدا کیا اور اسی بے محل گوشہ کو کارآمد بنانے کے لئے غدیر خم کے واقعہ کو شاعرانہ پیرایہ میں بیان کیا۔ اور ساقی نامہ کا اس طرح جوڑ لگایا جیسے قصیدہ کی گریز کے محل پر بات میں بات پیدا کر دی جاتی ہے۔ مرثیہ میرا موضوع بحث نہیں ورنہ میں حضرت فخر صاحب کے کلام سے مثالیں دے کے ثابت کرتا کہ یہ اپنے وقت میں بے مثل و نظیر مرثیہ گو تھے۔

اس طرح مرثیہ کی صنف بلند ہو جانے سے اردو شاعری کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ "سلام و نوحہ" کی مستقل صنف کا اردو میں اضافہ ہو گیا۔ "سلام" میں پہلے اہل بیت، ائمہ طاہرین، ان کے جاں نثار اور مجاہدین کربلا کی شان میں مدحیہ و فخریہ اشعار ہوتے ہیں اس کے بعد انھیں میں سے کسی کی لڑائی یا شہادت یا کوئی اور مصیبت کے متعلق چند شعر کہے جاتے ہیں، ہر ایک شعر غزل کی طرح مستقل اور کسی مفرد خیال کا حامل ہوتا ہے اور انداز بیان

بہرحال شاعرانہ رہنے کی سعی کی جاتی ہے۔ شروع شروع میں ایسی نظم کا اُٹھان لفظ "سلام" سلامی، مجرائی" سے ہوتا تھا اور مطلع میں امام حسین علیہ السلام پر سلام بھیجنا لازم تھا اسی لئے اس کا نام "سلام" پڑ گیا اور اب یہ التزام نہ رہنے پر بھی نام وہی باقی ہے۔ سلام ہر ایک مرثیہ گو شاعر نے کہا ہے کیونکہ مرثیہ خوانی کا یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ جو شاعر مرثیہ پڑھے وہ بطور تمہید پہلے چند رباعیاں اور ایک سلام ضرور پڑھے، رفتہ رفتہ یہ سلام اتنا مقبول ہوا کہ سوز خوان تک پیش خوانی میں پڑھنے لگے اور ایام عزا میں اسی [illegible] شاعروں سے بھی "سلام" کے نام سے ہونے لگے جو اب تک جاری ہیں۔ مرثیہ گو شعرا کی طرح جناب ذاکر مرحوم نے بھی سلام کہے ہیں اور جس طرح ایک فطری شاعر غزل کے محدود دائرہ میں رہ کے بھی (اپنے کلام) کو بہتر و مؤثر بنا لیتا ہے اسی طرح ذاکر صاحب نے بھی اپنے سلاموں کو بہتر سے بہتر اور مؤثر سے مؤثر بنایا ہے لیکن مجھے اس بحث کو طول دینا مقصود نہیں اس لئے مثالیں ترک کی جاتی ہیں۔

نوحہ کے معنے ہیں "مرنے والے پر گریہ و زاری کرنے کے" اس لئے اسے سلام کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے کیونکہ سلام کے آخر میں بھی چند شعر بکائی کے جاتے ہیں، جب انھیں دردناک شعروں کو سلام سے الگ کر لیا تو نوحہ وجود میں آ گیا جس طرح قصیدہ کی تغزلانہ تشبیب کو جدا کر لینے سے غزل پیدا ہو گئی۔ اردو کا نوحہ ہادیان دین کی شہادت و مصیبت کے لئے مخصوص ہے، اس میں زیادہ تر واقعات کربلا کو بیان کیا جاتا ہے اور مجاہدین کربلا کی جنگ و شہادت، اہل حرم کی اسیری و مصیبت پر اکتفا کی جاتی ہے۔ نوحہ میں وہ مدح بالکل نہیں ہوتی جو سلام کا طرز خاص ہے بلکہ اس میں جو مضمون کہا جاتا ہے اس کا دردناک پہلو خصوصیت سے ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ نوحہ میں واقعات کربلا کے چھوٹے چھوٹے اجزاء بنا کے مفرد و مستقل شعروں میں اس طرح بیان کرتے ہیں جس طرح سوگواران میت اپنے مرنے والے پر بین کرتے ہوں، اس میں صحیح واقعات کی پابندی بھی نہیں ہوتی بلکہ زبان حال سے ہر دل لگتی بات کہہ دی جاتی ہے۔ نوحہ میں شاعر کو یہ بھی اختیار ہے کہ متعدد شہیدوں کا حال الگ الگ بیان کرے یا کسی ایک شہید کے حال کو غیر مسلسل نظم کرے۔ نوحہ کا دوسرا طرز مسلسل بھی ہے جس کو اصطلاح میں "روایت" کہتے ہیں کیونکہ اس میں صرف اتنا ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے جتنا روایت میں مذکور ہو۔ اس طرز میں صحیح واقعات کی پابندی کرتے ہوئے کسی ایک بڑے واقعہ کو مسلسل نظم کیا جاتا ہے جس میں مناسب حال تمہید تو اُٹھائی جا سکتی ہے لیکن خلاف واقعہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

طرز اول کے نوحے جرأت و مونس کہہ گئے ہیں لیکن ان کے نوحوں میں دو بہنوں کی طرح کے بین ہی بین ہیں اور نظم اتنی سست و غیر مؤثر ہے جس کو کوئی شاعرانہ درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

بین کرتی تھیں بانو یہ رو رو میرے پاس آؤ صغر کہاں ہو
چین آئیگا تم بن نہ مجھکو میرے پاس آؤ صغر کہاں ہو (مونس)

حالانکہ میر مونس ایک اچھے مرثیہ گو اور اپنے بھائی میر انیس کے تقریباً ہم مشق تھے پھر بھی نوحہ پر وہ قدرت حاصل نہ ہوئی

جو مرثیہ پر حاصل تھی اسی وجہ سے نوحہ کو ایک زمانہ تک صنف مستقل کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی یہاں تک کہ جناب ذاکر مرحوم کا دور آیا۔

جناب ذاکر صاحب ہمہ گو شاعر تھے، مثنوی، قصیدہ، غزل، مرثیہ، سلام، رباعی سب پر طبع آزمائی کر چکے تھے ایک نوحہ باقی تھا تو وہ کیوں ان کی فکر پر جوش سے محروم رہتا اس لئے نوحہ بھی کہا اور ایسے مؤثر انداز میں کہ در و دیوار سے رونے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

جناب ذاکر پہلے سخن طراز ہیں جنھوں نے نوحہ میں تخیل شاعرانہ کو دخل دیا اور واقعات پر اپنی فکر بلند سے ایسی ایسی مرصع کاری کی کہ اس زمین کو آسمان بنا دیا، واقعات سے نکات نکالے، حالات پر تخیل کا رنگ چڑھایا زبان حال میں فطری واقعیت پیدا کی اور جو کچھ بھی کہا اسی انداز سے کہ اگر وہ واقعہ نہ بھی ہوا تو واقعہ معلوم ہونے لگا، اسی کو اصطلاح شاعری میں واقعہ نگاری کہتے ہیں کیونکہ واقعیت کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ شاعر جو کچھ کہے وہ ہو بہو واقعہ ہو بلکہ اس کے بیان میں اتنی واقعیت نمائی کافی ہے کہ سننے والا یہ محسوس کرنے لگے کہ شعر میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ہو سکتا ہے۔ جہاں سے شاعر کے کلام میں یہ کیفیت پیدا ہوئی وہیں سے شعر مؤثر اور شاعر خاطر خواہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

جناب ذاکر صاحب نے اخلاق، موعظہ، ایثار، محبت، شجاعت، جانبازی، اطاعت، صبر، قناعت، توکل وغیرہ میں سے ہر ایک جذبہ کو بیان کیا ہے پھر ان کو واقعیت سے مطابق کرتے ہوئے تخیل سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ کلام میں زور اور بیان میں اثر پیدا ہو گیا ہے، ان کے الفاظ پر درد اور طرز ادا اتنا خاطر نشین ہے کہ جو نوحہ کہا وہ مقبول ہوا اور رفتہ رفتہ انھیں کا نوحہ دنیائے شاعری پر چھا گیا۔

یہ جناب ذاکر ہی کی سحر بیانی ہے کہ جو نوحہ صرف عورتوں کے بین سمجھا جاتا تھا اس کو شاعرانہ حیثیت حاصل ہو گئی، ان کا نوحہ جس معراج کمال پر پہونچ چکا ہے اس سے فارسی کا مرثیہ تک محروم ہے اور جو مرتبہ ان کو نوحہ گوئی میں حاصل ہو گیا ہے وہ اردو کے شاعر تو کیا فارسی کے شاعر کو بھی نصیب نہ ہوا یہی سبب ہے کہ اردو کے موجودہ شعرا انھیں کے نوحہ کی نقل اتارتے ہیں اور ناکامیاب رہتے ہیں۔

نوحہ گوئی کے جتنے بھی جادے ہو سکتے تھے ذاکر صاحب نے سب پر زور طبیعت صرف کیا اور کامیاب رہے، ایک شہید کے حال میں نوحہ، متعدد شہیدوں کے حال میں نوحہ، چھوٹے چھوٹے واقعات کا نوحہ، مسلسل واقعہ کا روایتی نوحہ، اسی طرح اور جتنی راہیں ملتی گئیں سب میں نوحہ کہتے چلے گئے اور جس حال میں جس طرز کا بھی نوحہ کہا وہ لاجواب۔

میں نے ان کے کثیر نوحوں میں سے حضرت عباس علیہ السلام کے حال کا ایک نوحہ انتخاب کیا ہے تاکہ "یادگار عباسؑ نمبر" کی مناسبت باقی رہے اور اس نوحہ میں سے بھی صرف ایک شعر پر اظہار خیال کروں گا، اس سے جناب ذاکر کی شاعرانہ عظمت کا بہت کچھ اندازہ ہو جائے گا ۔

مر کے بھی بازوئے شہ ہمراہ بھائی کے رہا
ساتھ ہی کٹتا ہوتے گئے اب تک علم عباسؑ کا

بازو اور قوت بازو بھائی کو کہتے ہیں یہاں بازو سے شہ سے حضرت عباسؑ اور شہ سے امام حسین علیہ السلام مراد ہیں بھائی یعنی حضرت عباسؑ کے بھائی امام حسین علیہ السلام۔

حضرت عباسؑ مختصر سپاہ امام حسینؑ کے علمدار تھے جس طرح امیر المومنینؑ حضرت علیؑ لشکر رسول اللہ کے علمدار ہوا کرتے تھے، امام حسینؑ کا علم وہی رسول اللہ کا علم تھا اور اس کے علمبردار وہی علیؑ کے بیٹے عباسؑ تھے، وہ نانا کے وارث یہ باپ کے قائم مقام۔ رسولؐ کا علم علیؑ کا علم، حسینؑ کا علم عباس کا علم۔

حضرت عباس علیہ السلام اس علم کے آخری حامل تھے اس لئے یہ علم ان کے ہاتھ کے لئے اور علمداری ان کی ذات کے لئے منسوب ہوگئی اور سلسلۂ عزاداری کا ہر علم حضرت عباسؑ کا علم مان لیا گیا، اسی طرح تابوت اگرچہ متعدد شہدا سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن جس تابوت کے ساتھ صاحب تابوت کا نام مذکور نہ ہو یا اس کی مخصوص تاریخ وفات نہ ہو وہ تابوت امام حسینؑ ہی کا تابوت سمجھا جاتا ہے۔

یزیدی لشکر نے اپنے کشتوں کو تو دفن کیا لیکن امام مظلوم کو بےگور چھوڑ دیا اس لئے چاہنے والے لاش اٹھانے کی حسرت کو خالی تابوت اٹھا کے پورا کرتے ہیں، شاعر نے اپنی زندگی میں بار بار سوگواروں کے مجمع میں علم و تابوت آگے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا اس کے دل میں کرید ہوئی کہ اس کا سبب کیا ہے جو صرف امام حسینؑ و حضرت عباسؑ کی یادگاریں ساتھ ساتھ رہتی ہیں، اس کو حضرت عباسؑ کی امام حسینؑ سے عدیم المثال وفاداریاں بخوبی معلوم تھیں اس لئے اس کے شاعرانہ دماغ نے وجہ پیدا کرنا شروع کی، اس نے سوچا کہ تمام دنیاوی تعلقات زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں، ایک شخص کسی کا کتنا ہی دوست ہو جہاں دو میں سے ایک نہ رہا ساری دوستی ختم ہوگئی اگرچہ حضرت عباسؑ کی وفاداری ایسی ہی تھی تو ایک برگزیدہ ہستی اور ایک عام شخص میں فرق ہی کیا رہتا ہے اس لئے ان کی شان وفاداری دوسروں سے اتنی بلند تر ہو کہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے، تخیل نے اسی وقت اعانت کی اور بتایا کہ بیشک حضرت عباسؑ کی وفاداری مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوئی، یہ تیرہ سو برس کے بعد بھی تابوت امام حسینؑ کے ساتھ جو علم حضرت عباسؑ رہتا ہے ان کی مخصوص وفاداری کی دلیل ہے۔

حالانکہ ذاکر صاحب اس شعر میں کہیں لفظ وفا نہیں لائے لیکن جن الفاظ سے شعر کی ترتیب دی ہے ان سب کا مجموعہ وفاداری حضرت عباسؑ کا آئینہ ہے اور ان میں سے تین لفظیں وہ بے نظیر جڑاؤ ہیں جن سے اس آئینہ کی آب و تاب دوبالا ہوگئی ہے۔ پہلے مصرع کی "بھی" دوسرے مصرع کی "اب تک" سے وفاداری میں وزن اور شعر میں زور پیدا کر دیا ہے۔ تیسری لفظ "ہمراہ" بھی ایسی بامحل صرف کی ہے جس کی بلاغت قابل صد ناز ہے۔ ہمراہ کے دو معنے ہیں ایک تو "ساتھ چلنا" دوسرے "موافقت کرنا" اور یہاں لفظ دونوں معنوں میں صرف ہوئی ہے حضرت عباسؑ کا علم تابوت امام حسینؑ کے ساتھ بھی چلتا ہے اور حضرت عباسؑ نے اپنے وفادارانہ طرز عمل سے امام حسینؑ کے مشن کی موافقت بھی کی ہے یہاں تک کہ انھیں کے ساتھ شہید ہوئے اور انھیں کے قریب دفن ہوئے۔ ان خوبیوں کے ساتھ نوحہ کے جادہ کو بھی نہیں چھوڑا ہے وہ وہی اثر ہے جو نوحہ کا طرۂ امتیاز ہے تخیل کے شاعرانہ استدلال میں بھی موجود ہے جس سے تعزیہ داری کا بھی حق ادا ہو جاتا ہے اور جذبات رنج و غم بھی برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ جناب ذاکر مرحوم کے یہی خصوصیات ہیں جن سے نوحہ کو اردو شاعری میں صنف مستقل کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

علیؑ کے شیر بزرگوں کی یادگار ہے تو

از عالیجناب سید نواب صاحب قیصرؔ لکھنوی ابن حضرت انجمؔ لکھنوی اعلی اللہ مقامہ

علیؑ کے شیر بزرگوں کی یادگار ہے تو ریاضِ حسن کا سرمایۂ بہار ہے تو
وفا کا ناز شجاعت کا افتخار ہے تو علم کا فخر ہے اسلام کا وقار ہے تو
کمالِ صنعتِ قدرت کا شاہکار ہے تو

جو تیرے در پہ گیا ہو کے شادکام آیا قرار آگیا لب پر جو تیرا نام آیا
ترا کرم طلبِ دعا میں کام آیا شکستگی کو توانائی عـ۵ کا پیام آیا
سکونِ دل ہے امیدِ امیدوار ہے تو

ترا خلوصِ عمل خضرِ جادۂ تسلیم ترا اشارۂ ابرو حیات کی تنظیم
ترا تبسم رنگیں بہارِ باغِ نعیم تری جبیں کی شکن موجِ کوثر و تسنیم
نشاطِ روح کا پیغام خوشگوار ہے تو

عـ۵ - توانائی کی "ئی" گرتی ہے مگر عصرِ حاضر کے اکثر ذمہ داروں نے اب اسے جائز کر رکھا ہے۔ میں بھی اسی دور میں ہوں لہذا اس طرح کی آزادیوں کا حامی ہوں۔ (اختر)

ترے عمل پہ زمیں آسمان شاہد ہیں — تری وفا پہ ہزار امتحان شاہد ہیں

فضائے دہر کے رنگیں نشان شاہد ہیں — کیا وہ کام کہ دونوں جہان شاہد ہیں

شفق کے منظرِ خونیں میں آشکار ہے تو

جبینِ دہر ترے نام سے درخشاں ہے — تری بہار شہادت چمن بہ داماں ہے

ترے جمال سے صبحِ امید خنداں ہے — ترے عمل کی بلندی پہ عرش نازاں ہے

ابھرتا جائے گا وہ نقشِ اعتبار ہے تو

تجلیاں ہیں تری منزلِ حقیقت میں — تری جگہ ہے ازل سے دلِ مشیت میں

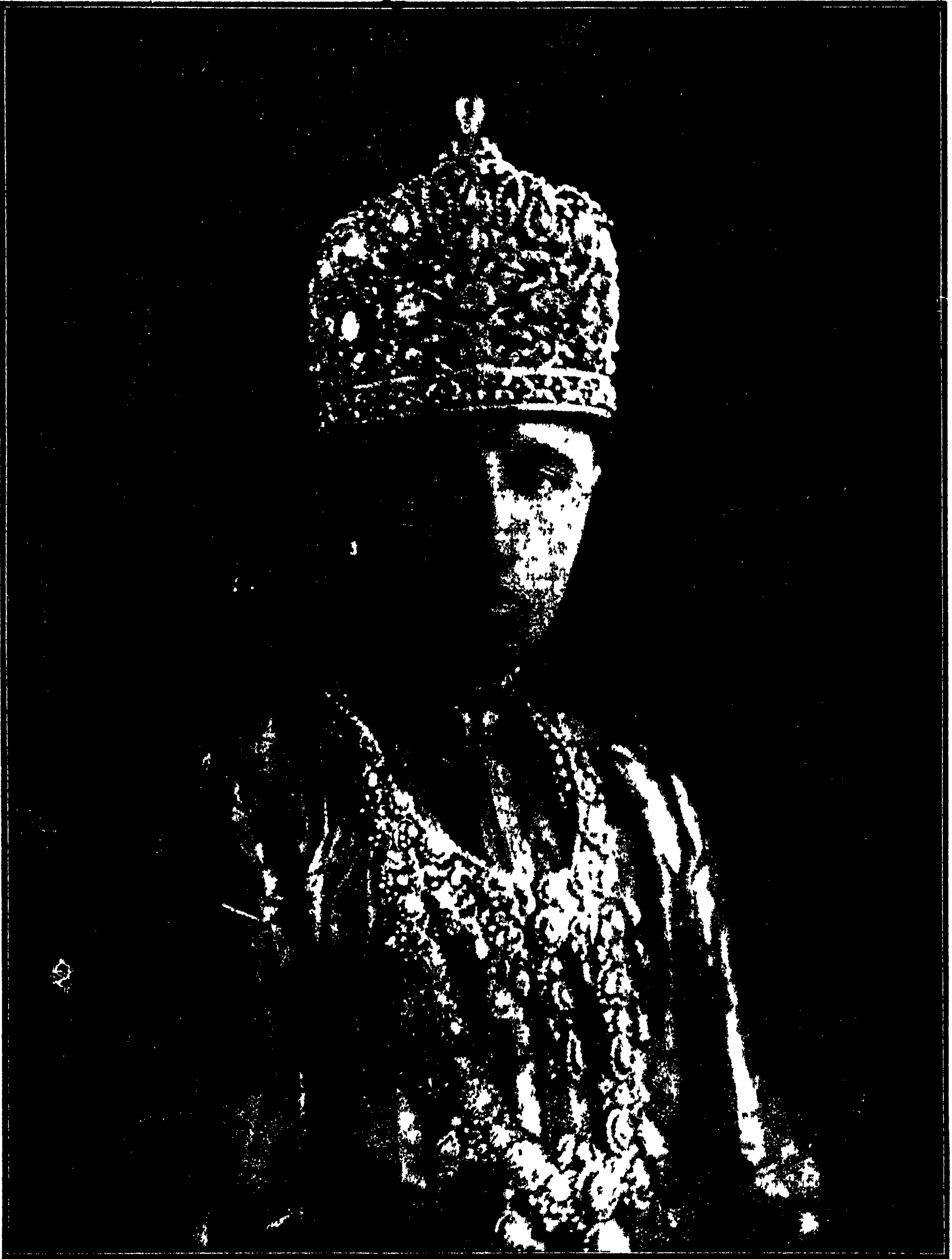
بقا کا راز ہے مضمر تری شہادت میں — ترے لہو کی حرارت ہے نبضِ فطرت میں

نظامِ دہر کا آئینِ استوار ہے تو

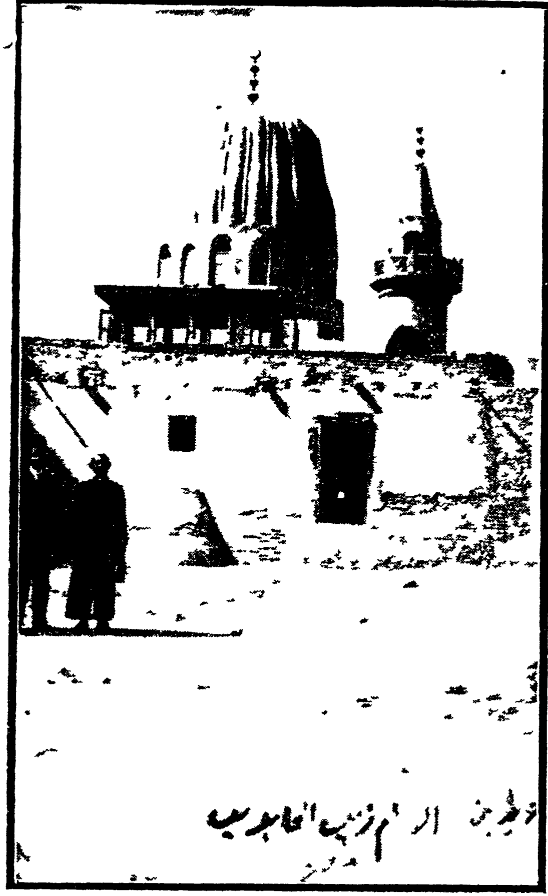
کمالِ نفس کے جوہر دکھائے ہیں تو نے — ادائے فرض کے معنی بتائے ہیں تو نے

اصولِ صبر و شجاعت سکھائے ہیں تو نے — صفات اپنے بزرگوں کے پائے ہیں تو نے

حسن کا خلق ہے حیدر کی ذوالفقار ہے تو



اعلیٰحضرت ہز ہائینس نواب صاحب رامپور دام اقبالہم و ملکہم
جو میدان جنگ سے بخیریت ۷ جنوری کو رامپور پہونچ گئے۔



روضہ حضرت زینب بنت امام زین العابدین علیہ السلام
(مصر)



ہز اکسلنسی نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ

امام حسینؑ کی مصیبت کا مقابلہ مصائب عالم سے

(تعزیہ)



جناب چودھری سید نظیر الحسن صاحب فوق رضوی بالقابہ
مولف المیزان۔ رئیس مہابن ضلع متھرا

زمانۂ ناہنجار کی نیرنگیوں اور دنیائے غدار کے انقلاب سے اس عالم میں نہایت دردناک اور دلخراش واقعات ظاہر ہوتے رہے ہیں جو اپنے اپنے وقت میں ایسے سخت اور جانفرسا ہوتے ہیں کہ بظاہر خیال ہوتا ہے کہ ان کا گہرا اور دیرپا اثر کبھی دل سے زائل نہ ہوگا اور جب تک دنیا قائم ہے ان کی یاد دلوں میں خار غم بن کر کھٹکتی رہے گی۔ خود اسلام پر ایسے سخت اور روح فرسا حادثات واقع ہوئے ہیں جن کو اسلامی موت سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض ظالم اور ناخدا ترس لوگوں نے انسانی زندگیوں کا ایسی جانکاہ تکلیفوں سے خاتمہ کیا ہے کہ صفحات عالم پر اس کی نظیر بمشکل ملے گی۔ لیکن چند روز تک اس کا ذکر رہنے کے بعد امتداد ایام ان تمام واقعات کو ہمارے دل سے محو کر دیتا ہے اور ماہ و سال کے تاریک پردے ان سب باتوں کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیتے ہیں۔

پس اعزا و اقارب جو قوت روح اور باعث تقویت حیات ہوتے ہیں بلکہ خود اپنے نور نظر فرزند جو زندگی کا سہارا ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رنج والم اور فکر و تردد کے جھونکے عنقریب صاحب ماتم کی شمع حیات کو گل کر دیں گے لیکن مشاغل دنیاوی اور ضروریات زمانہ چند روز میں ایسے جانفرسا زخموں کو بھی مندمل کر دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کا اثر دل و دماغ سے زائل ہو جاتا ہے مگر ایک کبھی نہ مٹنے والا صدمہ اور کبھی مندمل نہ ہونیوالا زخم اگر ہے تو واقعہ کربلا ہے جس کی یاد اور نہ صرف یاد بلکہ جس کا دلخراش صدمہ باوجود اس قدر زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ہر وقت ہمارے دلوں میں تازہ رہتا ہے۔ اگر تھوڑے دن کے لئے عارضی طور پر بھی اس کی یاد دل سے سہو ہو جاتی ہے تو ماہ محرم کا وہ چاند جو ماتم پوشش اور نیلگوں آسمان پر غم والم سے سر جھکائے مطلع آفاق سے ہر سال نمودار ہوتا ہے تمام غم انگیز واقعات کا واقعہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے اس کو دیکھکر ہر آنکھ محسوس کر لیتی ہے کہ ہلال محرم کی یہ خمیدگی ایک ایسے صدمہ کا اظہار کر رہی ہے جس کے گہرے اثر نے اس کو تصویر درد و غم

بنا رکھا ہے۔ اور عزہ محرم زبان حال سے پکار رہا ہے کہ دنیا کی تاریخ کا یہ زرین صفحہ ایسے جانکاہ اور دردناک واقعات سے پُر ہے جس کی غم انگیز داستان بھلائی نہیں بھولتی اور اس اہم گراں مایہ اور غیر فانی واقعہ کا وجود قیام عالم تک دنیا میں باقی رہے گا۔ ذبیحے اور قربانیات اس عالم اسباب میں بہت ہو چکی ہیں اور ہوتی رہیں گی مگر تحفظ حکم خالق کے لئے حفظ مذہب اسلام کے لئے اور زمزمۂ توحید قائم رکھنے کے لئے اس محسن اسلام نے جس کو لوگ حسینؑ کے نام اور سید الشہداء کے معزز لقب کے ساتھ یاد کرتے ہیں نخلستان اسلام کے نورس پودوں کی اپنے متبرک خون سے اس طرح آبیاری کی کہ اب قیامت تک اس چمن پر بہار کو آفات ارضی و سماوی کا خوف نہیں رہا۔ ان واقعات کے بعد ہر شخص کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ اس واقعہ شہادت میں جو اسلام کی اہم ترین خدمت خالق عالم کی بے حد خوشنودی کا سبب تھی ضرور کوئی روحانی قوت ہے جو اس غم کو قیامت تک زندہ رکھنا چاہتی ہے اور قدرت کو منظور ہے کہ اس شہادت عظمیٰ کا ذکر خیر کبھی بھی فضائے عالم سے زائل نہ ہونے پائے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند بر عاشقانِ پاک طینت را

کربلا کی دفاعی جنگ

(از عالیمرتبت جناب پرنس محمد عباس صاحب صفوی آف شمس آباد)

جن لوگوں کو سمیع دلبصیر حقیقی نے گوش شنوا اور چشم بینا کی دولت عطا فرمائی ہے وہ جانتے ہیں کہ رزمگاہ ہستی میں دفاع کی کیا وقعت ہے۔ لڑائی دست بدست ہو یا موجودہ زمانے کے مہلک حربے استعمال کئے جائیں متحارب قوموں میں سے فتح کا سہرا کسی کے سر بندھے لیکن نیک نامی اور شہرت دوام کا سہرا اسی کے سر بندھتا ہے جس نے دفاع میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے ہوں۔ اسپارٹا کے ان یونانیوں کا نام آج بھی عزت و وقعت کی زبان سے لیا جاتا ہے جنھوں نے قلیل التعداد ہونے کے باوجود ایرانیوں کے ٹڈی دل لشکر کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور جب تک ان چار سو جاں بازوں میں سے ایک بھی باقی رہا ایرانی آگے نہ بڑھ سکے۔ شیر پلونا غازی عثمان پاشا کا نام دفتر تہوروشجاعت میں آج بھی زرین حروف سے

لکھا ہوا ہے اور جب تک دنیا میں مظلوموں سے ہمدردی کا احساس اور حق و صداقت کا پاس باقی ہے ان بہادروں کے کارنامے فراموش نہیں کیے جائیں گے ۔ آیئے آج ایک ایسے بہادر کی دفاعی جنگ کا عالم چشم بصیرت سے دیکھیں جس کی مختصر فوج میں چھ مہینے کا بچہ بھی شامل تھا اور ستر برس کا پیر مرد بھی ۔

یونان کے جاں باز ہوں یا بلوما کا مرد میدان ان دونوں کو ہر وقت ہر لمحہ کمک پہونچنے کی امید تھی اسکے علاوہ ان کے فریق مخالف میں اور ان میں کثرت و قلت کے باوجود کچھ مناسبت تھی لیکن کربلا کے میدان میں ایک طرف تو بہتّر کا ہزاروں سے رن پڑا تھا اور دوسری طرف کمک کا کیا ذکر ان کا سالار یہ چاہتا تھا کہ خدا کے سوا اسے کسی اور کی مدد کا محتاج نہ ہونا پڑے ۔

شب عاشور کا یہ ولولہ خیز خطبہ آج بھی مردہ دلوں میں ایک طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے ۔ کل کا دن ان دشمنوں سے مقابلے کا ہے میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ اب تم پر میرے عہد کی تعمیل ضروری نہیں ۔ اب رات ہو گئی ہے اسی کو اپنی سواری بنا لو اور تمہارا ایک ایک مرد میرے اہل بیت کے ایک ایک مرد کا ہاتھ پکڑ لے خدا تم سب کو جزائے خیر دے ۔ اس کے بعد تم لوگ اپنے ملکوں اور شہروں میں متفرق ہو جانا ۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کشائش نصیب کرے ۔ یہ لوگ تو صرف مجھی کو طلب کر رہے ہیں جب مجھے پا لیں گے تو دوسرے کی طلب سے درگزر کریں گے ۔ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم مترجمہ مولوی محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ص۱۸۳) تم سمجھتے ہو گے کہ یہاں بھی یونان یا بلوما کی طرح کوئی نادار موجود ہوگا لیکن اصحاب باوفا کا ولولہ انگیز جواب انھیں بتادے گا کہ کربلا کے سپہ سالار اعظم کی مختصر فوج کا ہر سورما مہر و وفا کی بولتی ہوئی تصویر تھا ۔

اصحاب کے ترجمان جوشِ وفا سے کانپتی ہوئی زبان سے عرض کرتے ہیں "خدا کی قسم میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ ان لوگوں کے سینے میں اپنے نیزے کو نہ توڑ دوں اور جب تک کہ میرے ہاتھ میں تلوار کا قبضہ ہے ان میں شمشیر زنی نہ کر لوں واللہ اگر میرے پاس اسلحہ بھی نہ ہوا تو تب بھی آپ کی حفاظت کے لئے ان پر پتھروں کی بوچھار کروں گا (یہاں تک کہ) آپ ہی کے ہمراہ میں بھی مرجاؤں (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ص۱۴۳) دنیا کی ہر جنگ میں محاصرے کی شدت اور نبرد کی مصیبت نے کچھ مدافعین کے قدم کسی نہ کسی حد تک متزلزل کر دیئے ہیں لیکن اس عدیم النظیر اور فقید المثال جنگ میں مدافعین کا ایک آدمی بھی حملہ آوروں سے نہیں ملا ہاں ان کی مظلومی کا یہ اثر ضرور پڑا کہ حملہ آوروں کے بعض افراد زندگی سے بیزار ہو کر یقینی موت سے ہم آغوش ہونے کے لئے ان سے مل گئے ۔

عاشورے کی صبح نمودار ہوئی اور سعد کے نحس پسر نے فرزند رسول الثقلین کے قتل کی تیاری کے لئے اپنی کثیر تعداد فوج کو آراستہ کیا ادھر فاتح خیبر کے فرزند نے بھی زہیر ابن قین کو میمنے پر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرے پر مقرر کیا ۔ رایت لشکر اس سعادت کے سپرد کیا گیا جس

نام کی شجاعت آج بھی قسم کھاتی ہے اور جس کی یاد میں
نظارہ کا یہ خاص نمبر شائع ہو رہا ہے۔ جنگ خندق کی
سنت پر اس طرح عمل کیا گیا کہ مخدراتِ عصمت و طہارت
کے خیام کے پیچھے ایک خندق سی تیار کر لی گئی تاکہ عقب سے
حملہ نہ ہو سکے اور بقول ابن اثیر یہ تدبیر کارگر ہوئی۔
جنگ شروع ہوئی تو طاغوت کے مرید حق و صداقت
کے پرستاروں کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور دست بدست
جنگ میں یزیدی فوج کے بیشمار سپاہی دار البوار
پہونچ گئے۔ یہاں تک کہ ابن سعد کو گھبرا کر حکم دینا
پڑا کہ ایک ایک کر کے نہ لڑیں" (تاریخ طبری جلد دوم
مترجمہ حیدر یار جنگ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد دکن صـــ ۲۶۵) باطل پرست سمجھتے تھے کہ
جنگ مغلوبہ میں شیدائیانِ حق کو فنا کر دیں گے لیکن
انجام یہ ہوا کہ ان کی آرزو خاک میں مل گئی۔

"شمر ذی الجوشن نے اپنے میسرے کے ساتھ حضرت
کے میسرے پر حملہ کیا یہ سب لوگ اپنی جگہ سے نہ سرکے
شمر اور اس کے اصحاب کو برچھیاں مارنے لگے۔
اب حسینؑ اور انصارِ حسینؑ پر چاروں طرف سے لوگ
ٹوٹ پڑے ادھر کل بتیس سوار تھے انھوں نے جب
حملہ کیا جدھر رخ کیا اہل کوفہ کے سواروں کو شکست
دی" (تاریخ طبری صـــ ۲۶۶-۶۷) جب ان شیران وغا
سے بس نہ چلا تو بزدلوں نے تھوڑی ہی دیر میں ان کے
گھوڑوں کو پے کر دیا سب کے سب پیادہ ہو گئے"
(تاریخ طبری صـــ ۲۶۷) مگر آفریں ہے ان دلیروں پر
کہ پیادہ ہونے پر بھی خوف و ہراس کو پاس نہ آنے دیا
بلکہ اگر ان کی شجاعت میں اضافے کا امکان ہوتا تو یہ کہا
جا سکتا تھا کہ بادہ نوشانِ خمِ غدیر کا نشۂ جرأت کچھ اور سوا
ہو گیا۔

حضرت حر نے اسی عالم میں ایک شعر پڑھا جو آج بھی
تاریخ طبری کے صفحات میں محفوظ ہے ؎

ان تعقروا بی فانا ابن الحر
اشجع من ذی لبد ہزبر

یعنی میرے گھوڑے کو پے کر دیا تو کیا ہوا میں شیر ببر
سے زیادہ بہادر اور شریف ہوں۔

اصحاب امام حسینؑ پیادہ اور قلیل التعداد سہی پھر بھی
کسی کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ ان کو چاروں طرف سے
گھیر لیں ادھر حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء نے
یہ انتہائی مدبرانہ اور فوجی نقطۂ نگاہ سے بے غایت اہم
تدبیر کی تھی کہ تمام خیام کو ایک جگہ نصب فرمایا تھا اور
سب کے سب ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے تھے
ابن سعد نے یہ دیکھ کر چند آدمیوں کو اس غرض سے بھیجا کہ
امام حسینؑ کے خیمہ جات کو دائیں بائیں جانب سے اکھاڑ کر
برباد کر دیں اور ہر طرف سے گھیر لیں۔ امام حسینؑ کے
تین چار ہمراہی ان کے اور خیموں کے درمیان حائل ہو کر
ان لوگوں کو خیمہ اکھاڑتے اور لوٹ مار کرتے ہوئے
دیکھ کر قتل کر دیتے تھے اور قریب سے تیر کا نشانہ بناتے
تھے یا کاٹ ڈالتے تھے (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم
صـــ ۱۹۶) ان متواتر ناکامیوں کے باوجود ان بزدلوں نے

آلِ عبا کی بربادی سے کفارہ کشی نہیں کی اس لئے کہ ابھی ان کی
بزدلی کی ترکش کا آخری تیر باقی تھا۔ آخر عمر ابن سعد کے حکم سے
خیموں کو جلا ڈالا گیا۔ امام حسینؑ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ
ان لوگوں کو جلا لینے دو کیونکہ خیموں کو جلا کر ان لوگوں کو یہ
ہمت نہ ہوگی کہ تمھاری طرف بڑھ سکیں چنانچہ ایسا ہی
ہوا" (حوالۂ سابق) امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
مدبرانہ خیال بالکل صحیح ثابت ہوا خیموں کو جلانے کے بعد
حیلہ باز روباہوں کی ہمت نہ پڑی کہ شیروں کا دو بدو
مقابلہ کر سکیں بجائے انھوں نے بچوں اور عورتوں کے
خیموں کی طرف بڑھنے کا قصد کیا مگر اس طرف سے بھی حضرت
زہیر بن قین نے ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ الغرض لڑائی اسی
طرح جاری رہی۔ باطل پرست اپنی کثرت کے زعم میں
پرستارانِ حق پر بار بار حملہ کرتے تھے اور ہر بار منھ کی
کھاتے تھے لیکن یہ ضرور تھا کہ پرستارانِ حق میں سے
"ایک یا دو اشخاص شہید ہوتے تو ان کی قلت تعداد
کی وجہ سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا مگر چونکہ ان لوگوں
کی تعداد کثیر تھی ان میں پتہ نہ چلتا تھا کہ کیا ہوا" (تاریخ
ابن اثیر ص ۱۹۷) اسی اثنا میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا لیکن
نانا کے کلمہ گو امتیوں نے نواسے کو اطاعت و طاعت خالق
کی مہلت دینا بھی گوارا نہیں کی اور صاحبِ معراج کے
نواسے نے "تلوار کی چھاؤں میں سجدے کئے"۔ بہت
سے پروانے شمع امامت کی حفاظت کی غرض سے
ہنگام ظہر اپنی جانیں فدا کر چکے تھے جو رہ گئے تھے انھوں نے
وہ جاں نثاری کی کہ آج تک ان کا نام روشن ہے۔

عصر کے وقت تک آپ کے تمام اعزا و انصار درجہ
شہادت پر فائز ہو گئے۔

قیاس چاہتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں سے ایک
شکستہ دل انسان کے مقابلے کو ممتنع سمجھے لیکن تاریخ
کے صفحات زبانِ بے زبانی سے کہتے ہیں کہ بنی نوع
انسان ایک مفخر آدم انسان ایسا بھی گزرا ہے جس نے
بھوکا پیاسا یکہ و تنہا ہونے کے باوجود کچھ اس شان سے
دفاعی جنگ کی ہے کہ دشمن بھی اس کی تعریف کرنے پر
مجبور نظر آتے ہیں۔

عبداللہ بن عمار جو یزیدی فوج میں شامل
تھا کہتا ہے:۔

"واللہ کسی ایسے بے بس اور بے کس کو جس کی
اولاد و اہلِ بیت و انصار سب قتل ہو چکے ہوں اس
دل اس حواس اور اس جرأت سے لڑتے ہوئے
میں نے کبھی نہیں دیکھا واللہ نہ ان سے پیشتر ان کا
مثل دیکھنے میں آیا نہ ان کے بعد ان کے داہنے بائیں
لوگ اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے گرگ کے حملہ کرنے
سے بکریاں بھاگتی ہیں"

(تاریخ طبری جلد دوم حصہ اول ص ۲۸۲)

اولئک علیہم صلوٰۃ من ربھم و اولئک
ھم المھتدون۔

بنی ہاشم کا چاند

(از جناب ثامن نقوی النبھٹروی)

محرم کی دسویں شب کربلا کا ریگستان، ہو کا عالم، فضا خاموش، کائنات کا ذرہ ذرہ محو سکوت، چرند و پرند محو خواب، کبھی کبھی کسی صحرائی جانور کی خراش صدا سکوت کو شکست کرتی ہوئی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ آسمان سے ستارے ٹوٹتے ہیں اور کچھ دور جا کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ دریائے فرات انتہائی خموشی کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی پر آنسو بہاتا ہوا بہہ رہا ہے۔ موجیں فرش آب پر کروٹیں لیتی ہوئی ساحل تک جانے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ حباب موجوں کے زیر و بم میں اپنا سر ابھارتے ہیں اور پھوٹ جاتے ہیں فنا اور بقا کے مسئلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حسینؑ کے اصحاب باوقار اور اہل بیت اطہار عبادت پروردگار میں مصروف ہیں۔

قمر بنی ہاشم عباسؑ ابن علیؑ شب تار میں خیمہ گاہ کے باہر جلوہ افروز ہیں تاکہ صحرائی درندوں اور شب خون سے حسینؑ اور حسینؑ کے بچے محفوظ رہ سکیں۔ چلتے چلتے رک جاتے ہیں اور غیظ و غضب کی نگاہوں سے لشکر یزید کی طرف دیکھ کر ایک پھریری سی لیتے ہیں جس طرح شیر نر اپنے شکار کو دیکھ کر۔ لیکن کچھ سوچ کر اپنی گردن نیچی کر لیتے ہیں اور پھر خیموں کے گرد گشت میں مشغول ہو جاتے ہیں خیمہ گاہ سے العطش العطش کی دلخراش آوازیں ڈوبتی ہوئی نبضوں کی طرح ابھر رہی ہیں۔ ننھے ننھے بچے پیاس کے مارے بلبلا رہے ہیں۔ مخدرات عصمت اپنے اپنے بچوں کو خدمت امام عالیمقام میں پیش کرنے کے لئے آلات حرب سے سجا رہی ہیں بزرگوں کے کارنامے سنا سنا کر ہمتوں میں اضافہ کر رہی ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ اماں وہ جنگ دکھاؤں گا کہ قیامت تک یادگار رہے۔ کوئی کہتا ہے صبح ہونے دیجئے اس طرح لڑوں گا کہ دشمنوں کے پرے کے پرے ایک ہی ہاتھ میں صاف ہو جائیں اور حد نظر تک کشتوں کے پشتے دکھائی دیں گے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ نانا علیؑ شیر خدا کی جنگ کا نقشہ نہ کھینچ دوں تو سہی۔ کوئی چھوٹے سے پنجہ کو اپنے نازک مگر شیر کے پنجہ کی مانند طاقتور ہاتھوں میں بلند کر کے کہتا ہے ابھی ابھی ہمیں عمو جان سے سفارش فرما کر ہمارے دادا جعفر طیار کا منصب دلا دیجئے۔

ہماری کمسنی پر نظر نہ فرمایئے۔

مائیں اپنے بچوں کے غیظ آلود جملے سُن سُن کر گلے سے لپٹا لیتی ہیں اور کہتی ہیں شاباش شیر کی اولاد شیر ہی ہوتی ہے۔ کل ایسی جنگ دکھاؤ کہ تمہارے کارنامے سنہری حروف سے صفحۂ تاریخ پر لکھے جائیں اور قیامت تک یادگار باقی رہیں۔ جناب عباسؑ ان آوازوں کو سُنکر خوشی سے جھومنے لگتے ہیں لیکن جب کہیں سے العطش کی صدا کانوں میں آجاتی ہے تو آپ کے دل کا کھلا ہوا کنول پھر مرجھا جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔

۲

باغیوں کے لشکر میں چہل پہل ہے۔ عبادت خلاق دوعالم کے بجائے شرابِ ناب کے خم کے خم لنڈھائے جارہے ہیں۔ پیمانوں اور بدمستوں کی کریہ الصوت آوازیں فضا میں عجیب قسم کا ارتعاش پیدا کررہی ہیں۔ تلواروں پر صیقل اور گھوڑوں کے نعل جڑے جارہے ہیں۔ آنے والے دن کے انتظار میں۔ چمن فاطمہ زہراؑ کو تاراج کرنے کے لئے اسی لشکر میں بہت سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے رسُولؐ کو دیکھا ہی نہیں بلکہ صحبتوں سے فیضیاب بھی ہوچکے ہیں۔ بہت سے غزوات میں شریک رہ چکے ہیں۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیرِ خم کے میدان میں کجاوں کے منبر پر رسُولؐ کا آخری فرمان اور خطبہ سُنا ہے۔ محبوبِ کبریا کے ہاتھوں پر علیؑ کو بلند ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

. . . . محمد مصطفٰےؐ کو حسنین کے لئے الحسنؑ والحسینؑ سیدی الشباب اہل الجنۃ والحسینؑ منی وانا من الحسینؑ بھی کہتے سُنا ہے۔ عید کے دن حسنینؑ کو رسُولؐ خدا کے کاندھوں پر دیکھا اور پیغمبرؐ کو العفو العفو فرماتے سُن چکے ہیں۔ نماز میں حسینؑ کو رسُولؐ کی پشت پر سوار ہونے اور سجدے کو طول دیئے جانے کا منظر دیکھ چکے ہیں۔

مباہلہ کا مشہور واقعہ سُنا نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مگر آج وہی لوگ ان تمام باتوں اور فضیلتوں کو دیکھنے اور سُننے کے باوجود اپنے رسُولؐ کے نواسے کا خون بہانے اور قتل کا بیڑا اٹھانے کے لئے اپنی اپنی کمریں کس رہے ہیں۔ وجاہت ظاہری اور دولتِ دنیوی کی خاطر وہی حسینؑ اور ان کے اہل بیت آج نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے تین شبانہ روز سے آب ودانہ کو محتاج ہیں جن کی شان میں آیۂ ہل اتٰی نازل ہوئی۔ جو یتیموں مسکینوں اور محتاجوں کو کھانا کھلا کر خود روزے پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ ان ہی کے اہل وعیال بھوک وپیاس کی سختیاں برداشت کررہے ہیں۔ اگر آج رسُولِ خدا۔ علیؑ مرتضٰی۔ اور فاطمہ زہراؑ ہوتے تو دیکھتے کہ ان کی اولاد پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والی اُمت کیسے کیسے مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے۔ اسی کو گردشِ روزگار اور انقلاب زمانہ کہتے ہیں۔

آہ۔ یہ نام نہاد مسلمان اور کلمہ گو رسُولؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی اپنے قول وفعل سے کتنی جلدی پھر گئے۔ لیکن قیامت کے دن خداوند عالمین کے روبرو خاتم النبیینؐ اپنی اُمت کے ان لوگوں سے دریافت فرمائیں۔ کیا تم نے میرے حکم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و

عترتی اہلبیتی مان منکم بجانی تفضلونہ و ان بیانہن نیفتوقا حتی یردا علی الحوض کا عملی ثبوت یہی دیا کہ میرا کلمہ پڑھا اور توا سے اور اہلبیت کو کربلا کے ریگستان میں تین شبانہ روز بھوکا پیاسا رکھکر شہید کیا۔ کیا میری رسالت کا یہی اجر تھا؟ اس کا جواب دیا جا سکے گا؟ ہرگز نہیں، ایک طویل خاموشی اور ... بس ......

۳

عباس اندھیری رات میں برابر گشت فرما رہے ہیں۔ یکایک ایک خیمہ سے درد و کرب میں ڈوبی ہوئی آواز آپ کے گوش گزار ہوئی، بے چین ہو گئے، دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل آئے۔ سیل اشک جاری ہو گیا۔ سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا۔ دل کی انتہائی گہرائیوں سے ایک سرد آہ اٹھی اور لبوں تک آ کر رک گئی قدم عالم بے خودی میں در خیمہ کی سمت اٹھنے لگے۔ پوچھا کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ معظمہ نے سر اٹھا کر جناب عباسؑ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔

آؤ بھیا میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ آپ مودبانہ جناب ام کلثوم کے قریب بیٹھ گئے۔ پوچھا شاہزادی آخر اسقدر رونے کا سبب؟ فرمایا بھیا عباسؑ تمہیں معلوم ہے یہ شب حسینؑ کے لئے آخری شب ہے کل سبط رسول الثقلین علیؑ کا نور العین۔ فاطمہ صدیقہ کے دل کا چین قتل کر دیا جائے گا۔ تمام بیبیاں اپنے اپنے بچوں کو اچھے اچھے کپڑے پہنا رہی ہیں، بالوں میں شانے کر رہی ہیں آلات حرب سے سجا رہی ہیں۔ صبح کو اپنے اپنے دل کا چین بھائی حسینؑ پر قربان ہونے کے لئے پیش کریں گی تاکہ اماں فاطمہ زہراؑ سے سرخروئی حاصل کر سکیں۔ لیکن بھیا عباسؑ میرے پاس علاوہ جان کے نہ اولاد ہے نہ ایسی شے ہے جو حسینؑ کے آڑے وقت میں کام آ سکے اگر عورتوں پر جہاد ساقط نہ ہوتا تو جان ہی نثار کر دیتی۔

علیؑ کے لال نے یہ پُر درد کلمات سنے اور سر اقدس فاطمہ طاہرہ کی لاڈلی بیٹی کے قدموں پر رکھکر فرمایا شاہزادی یہ غلام حاضر ہے۔ چھوٹا بھائی بجائے اولاد کے ہوتا ہے۔ مجھے اپنی طرف سے بادشاہ دوجہاں پر قربان فرما دیں۔ بھائی کے تشفی آمیز جملوں نے معظمہ کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑا دی۔ غم و اندوہ کے آنسوؤں کے ساتھ مسرت کے آنسو بھی شریک ہو کر آنکھوں سے بہ گئے دست شفقت سر پر پھیرا۔ اٹھا کر سینے سے لگا لیا فرمایا بیشک بھیا تم سے یہی امید تھی۔ فاطمہ زہراؑ نے آج ہی کے لئے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی کہ ایک ایسا فرزند عطا فرما جو حسینؑ کا آڑے وقت میں اسی طرح ساتھ دے سکے جس طرح ابو الحسن نے تیرے رسولؐ کا دیا ہے یہی سبب تھا کہ بابا (علیؑ) نے خاندان بنی ہاشم کے بعد عرب کے سب سے زیادہ شجیع قبیلہ میں شادی کی تمہاری پیدائش سے دعا قبول ہوئی تم پر خاندان ہاشم جس قدر فخر و مباہات کرے کم ہے۔

۴

صبح ہوئی۔ مشرق سے آسمان پر سرخی اور روشنی

نمودار ہونے لگی۔ستارے حسینؑ اور حسینؑ والوں کی بیکسی اور بےبسی پر آنسو بہاتے ہوئے شامیوں اور کوفیوں کے مظالم کے دردناک مناظر نہ دیکھنے کے لئے غروب ہونے لگے۔آفتاب عالمتاب افق مشرق سے انسانیت سوز مصائب میں حسینی صبر و استقلال کا محیر العقول مظاہرہ دیکھنے اور قیامت کے دن گواہی دینے کے لئے اپنی انتہائی تمازتوں کے ساتھ نصف النہار پر آنے کی کوشش میں مشغول ہوگیا۔ چرند و پرند اپنے آشیانوں سے مظلوموں پر آنسو بہانے کے لئے نکل پڑے حسینؑ اور اصحاب نے عبادت سے فراغت پائی۔ظالموں کی ٹڈی دل فوج میں جنگ کے باجے بجنے لگے دو لاکھ یزیدیوں کا لشکر اسلام کی وہ مستحکم عمارت جس کی نیو محمد مصطفےٰ اور علی مرتضیٰ نے اپنے خون سے رکھی تھی ڈھانے کے لئے کمریں کس نے لگا تیاری کے سامان شروع ہوگئے۔

ادھر سبط رسول خدا بہتّر بچوں بوڑھوں جوانوں کو آراستہ کیا۔علم لشکر عباسؑ ابن علیؑ کو عطا فرمایا۔یہ بہتر نفوس دو لاکھ کے مقابلے میں دیوار آہن کی طرح کھڑے ہوگئے۔ایک طرف ظلم اور حیوانیت اپنی اکثریت پر ناز کر رہے تھے۔دوسری طرف مظلومیت اقلیت اور انسانیت چند افراد کی قلت کو بھی بہت کچھ سمجھتے ہوئے امتحان دینے پر آمادہ تھی۔درندگی نے ابتدا کی ابن سعد نے ترکش میں تیر جوڑ کر نبی زادے کی طرف بے ادبی کے خیال سے پھینکا۔جانثاروں میں سرفروشی کے جذبات بھڑک اٹھے۔ہاتھ تلواروں کے قبضہ پر پہونچ گئے۔چتونوں پر

بل آگئے۔گھوڑوں کی پشت پر شیروں کی طرح انگڑائیاں لینے لگے۔لیکن نگاہیں روئے مبارک حسینؑ کی طرف پھر گئیں۔ امام نظروں کا مطلب سمجھ گئے اور جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت عطا فرمادی۔حکم کی دیر تھی حق و باطل اور کفر و ایمان میں فیصلہ کن جنگ شروع ہوگئی۔مظلوموں پر تیروں کا مینھ برسنے لگا۔تلواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ گرد و غبار کی گھٹائیں چھا گئیں۔ادھر سے انفرادی اُدھر سے اجتماعی اور مغلوبہ لڑائی ہونے لگی۔ایک دلیر پر چاروں طرف سے ہزاروں دشمن چڑھائی کرتے تھے۔تیروں، کنکروں، اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔یکہ و تنہا کو ہر ممکن طریقہ سے ہلاک کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ لیکن حسینؑ والے ظاہری فتح کے خواہشمند نہ تھے وہ جانتے تھے کہ سرمدی کامیابی اور دین محمدی کے احیا و بقا کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ہم جفاکاروں کی تلواروں پر گلے رکھ کر اپنی عزیز ترین جانیں نثار کر دیں اور حق و باطل کا بول بالا کریں بچے جوان اور بوڑھے ہنس ہنس کر تیروں تلواروں اور نیزوں کے زخم اپنے سینوں پر نعمت غیر مترقبہ کی طرح کھاتے تھے۔سورج اپنی منزلیں رفتہ رفتہ طے کر رہا تھا۔آلات جنگ گرمی کی شدت سے سرخی مائل ہو رہے تھے۔لڑائی کی آگ دم بدم بھڑک رہی تھی۔ حسینی لشکر کے پچاس سے زائد بہادر زہر آلود شمشیروں اور بیکانوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔لیکن ظالموں کی فوج میں ہزاروں کی تعداد میں واصل جہنم ہو جانے پر بھی سپاہیوں کی فراوانی کی وجہ سے کمی کا احساس نہ ہوا۔یہاں تک کہ

آفتاب نصف النہار پر پہونچ کر ڈھلنا شروع ہو گیا۔
ظہر کا وقت آیا اور گزر گیا۔ عصر کے قریب اصحاب وفادار
اور افراد بنی ہاشم جام شہادت نوش فرما کر داخل
جنت الفردوس ہو گئے۔

۵

تمازت آفتاب کی وجہ سے ریگستان کا ذرہ ذرہ
تپ رہا تھا۔ لو جلتی ہوئی زمین کے تمام بخارات اپنے
اندر جذب کئے ہوئے شدت کے ساتھ چل رہی تھی۔
دریا کا پانی سورج کی حدت سے کھول رہا تھا۔ تشنگی
نے پیاسوں کو نڈھال کر رکھا تھا۔ خیموں سے بچوں کی
العطش العطش کی صدائیں اور بلند ہو رہی تھیں۔
عباسؑ سے یہ دردناک صدائیں نہ سنی گئیں۔ دل
بے چین ہو گیا۔ امام کے پاس تشریف لائے۔ کہا آقا و
مولا ظالموں کے مظالم برداشت نہیں ہوتے، صبر کا
پیمانہ بھر چکا ہے۔ اذن جہاد عطا فرمائیے تاکہ یہ غلام
اس بلا کو دور کرے اور ان جفاکاروں کو بھیڑ بکریوں
کی طرح یہاں سے بھگا دے۔

حسین علیہ السلام کو عباسؑ کی قوت کا اندازہ تھا۔
جانتے تھے کہ علیؑ کا فرزند ہے، بہادر ہے، اگر صحیح طور پر
جنگ کی اجازت دیدی تو آن کی آن میں تہ تیغ کر دیگا۔
اور پھر جس مقصد کے لئے اتنے مظالم برداشت کئے ہیں
اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں، ایسے ایسے رفیقوں اور عزیزوں
کے داغ جدائی سینے پر کھائے ہیں، شائد پورے طور سے
مکمل نہ ہو سکے۔ فرمایا بھیا عباسؑ تم تو داغ مفارقت
دو۔ صرف تمہاری وجہ سے اہل بیت کو ڈھارس ہے
لشکر کی دھاک قائم ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ خیموں کی طرف
بے ادبی کے خیال سے نگاہ بھر کر دیکھ سکے۔ جب بابا (علیؑ)
شیر خدا کے دیکھنے کو دل چاہتا تھا تو تمہاری طرف دیکھ
لیا کرتا تھا۔

جوابدیا آقا بچوں کی العطش العطش کی صبر شکن
آوازیں نہیں سنی جاتیں۔

فرمایا اچھا اگر یہی دل میں ٹھانی ہے تو مشک ہی لیجاؤ
اگر ممکن ہو سکے تو تھوڑا سا پانی لیتے آنا۔

یہ سننا تھا کہ غیظ آلود چہرے پر مایوسی کی ہلکی سی
جھلک دوڑ گئی۔ سر خم ہو گیا۔ ٹھنڈی آہ بھری، خیمہ ہائے
حرم میں تشریف لائے۔ اہل بیت کو بادیدہ ہائے پرنم
رخصت کیا۔ مشک لی اور دریا کا رخ کیا۔ راستہ میں
اشقیا حائل ہوئے۔ تلواروں پر تلواریں چلنے لگیں۔
تیروں کی بوچھار ہونے لگی۔ یکہ و تنہا پر سیکڑوں اور
ہزاروں نے اجتماعی حملہ کر دیا تاکہ دلیر دریا پر نہ پہونچ
سکے۔ لیکن شیر بیشۂ شجاعت نے شامیوں کی ٹڈی دل
فوج کو بھیڑوں کے گلے کی مانند کوسوں دور بھگا دیا۔
اسداللہ کا دلبند بپھرے ہوئے شیر کی مانند ترائی
میں داخل ہوا۔ مشک پانی سے بھری، نہر سے باہر تشریف
لائے۔ اتنے میں لشکر مخالف کے سرداروں نے بھاگی ہوئی
فوج کے منتشر سپاہیوں کو جوش غیرت اور مال و زر
کی طمع دلا کر یکجا کیا۔ سقے پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا
گیا۔ بنی ہاشم کا چاند شام کے بادلوں میں گھر گیا۔

غضب کا رن پڑا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ تنہا نے بارہ سو چھبیس یزیدیوں کو قتل کیا۔ ناگاہ کمینگاہ سے ایک شقی ازلی نے داہنا بازو قلم کر دیا۔ مشک دانتوں میں دبائی گئی۔ شمشیر آبدار بائیں ہاتھ میں آ گئی۔ برابر جنگ میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ دوسرا ہاتھ بھی شہید ہو گیا۔ مشکیزہ میں ایک تیر پیوست ہوا پانی بہنے لگا۔ سر اقدس گرز کے ایک ہی وار نے شگافتہ کر دیا۔ فرس پر چکرا کے سنبھلنا دشوار ہو گیا۔ فرش پر تشریف لائے آواز دی یا آقا ادرکنی۔ حسینؑ نے علمدار کی صدا سنی آس ٹوٹ گئی۔ ہو نے والے واقعات آنکھوں میں پھر گئے۔ کمر خم ہو گئی لبیک لبیک کہتے ہوئے بھائی کے آخری دیدار کو دریا کی سمت روانہ ہو گئے۔ حرم میں کہرام مچ گیا بچوں کے دل اور بندھی ہوئی امیدیں ٹوٹ گئیں۔ کوزے ہاتھوں سے گر پڑے حسینؑ دریا پر پہونچے دیکھا جانثار خاک و خون میں تڑپ رہا ہے۔ دونوں بازو شہید ہو چکے ہیں سر زانو پر رکھ لیا۔ پوچھا۔ بھیا کوئی آرزو؟ کہا میرے آقا مرنے سے پیشتر آپ کے روئے مبارک کی دید کا مشتاق تھا پوری ہو گئی۔ اب کوئی خواہش نہیں۔ دریافت فرمایا۔ وصیت؟ جواب دیا مولا بس یہ وصیت ہے کہ غلام کا لاشہ خیمے میں نہ لے جائیے۔ میں بچوں سے پانی کا وعدہ کر کے آیا تھا مگر وفا نہ کر سکا۔

امامؑ نے فرمایا عباسؑ ہماری ایک خواہش ہے کہا فرمائیے۔ جواب دیا تم نے کبھی آقا و مولا کے سوا بھائی نہ کہا آج آخری وقت بھائی کہہ دو۔

عباسؑ نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ آنکھوں سے دل کا لہو بہنے لگا۔ نزع کا وقت قریب آ گیا۔ لب ہلے اور ہچکیوں کے ساتھ بھائی کا لفظ زبان پر جاری ہو گیا۔ حسینؑ لپٹ گئے۔ بتیس سال کے جوان بھائی نے ایک آخری ہچکی لی۔ روح جانب جنت پرواز کر گئی۔ ساتھ چھوٹ گیا۔ کمر ٹوٹ گئی۔ مشکوں نے خیر مقدم کیا اور کلثوم کا فدیہ بارگاہ حسینؑ میں قبول کر لیا گیا!!

انا للہ وانا الیہ راجعون ؁

شعرائے کرام کیلئے حسینی نذر

تیرہ سو سالہ یادگار حسینی کے موقع پر یوم الحسین کمیٹی بمبئی نے طے کیا ہے کہ شعرائے کرام مدح جناب سید الشہداء میں صرف ایک رباعی اردو زبان میں جو تیرہ سو سالہ یادگار حسینی کے مضمون پر حاوی ہو۔ کہکر ۲۵ ر جنوری تک ذیل کے پتے پر روانہ کر دیں جن میں سے منتخب شدہ دس رباعیات پر مذکورہ ذیل حسینی نذر پیش کی جائے گی۔ (۱) ۵۰ روپیہ اور یک تمغہ (۲) ۴۵ روپے (۳) ۴۰ روپے (۴) ۳۵ روپے (۵) ۳۰ روپے (۶) ۲۵ روپے (۷) ۲۰ روپے (۸) ۱۵ روپے (۹) ۱۰ روپے (۱۰) ۵ روپے۔

تمام رباعیات کو کتاب کی شکل میں شائع کیا جائیگا۔ امام حسینؑ سے عقیدت رکھنے والے اساتذہ حضرات سے التماس ہے کہ اپنے کلام سے اس حسینی مشن کو فراموش نہ کرینگے

نوٹ:۔ شعرائے کرام اپنا نام و پتہ ضرور رکھیں۔

یوم الحسین کمیٹی سمعیل بلڈنگ فلورا فاؤنٹین فورٹ بمبئی

سرودِ غمِ دوام

سنہ ۱۳۶۱ھ

(از جناب عزیز اختر صاحب سرحدی بی سی ڈی (فرنٹیئر) کوہاٹ)

(خاص نظارہ کیلئے)

بساطِ دہر پر چھائی ہوئی کالی گھٹاؤں میں
بحدِ وسعتِ ظرفِ نظر رنگیں فضاؤں میں
عرب کے ریگزاروں کی حسین ٹھنڈی ہواؤں میں
فغاں دل کی مجھے شعلہ فشاں معلوم ہوتی ہے
اک آتش از زمیں تا آسماں معلوم ہوتی ہے

نہیں دیوار و در کی بے سبب سرگوشیاں باہم
نوائے صدق شورِ کذب میں ہونے لگی مدغم
نظر آتا ہے اب ہم کو جو نظمِ گلستاں برہم
مزاجِ خاکیاں میں جوششِ بے ہنگام پیدا ہے
حق و باطل میں شاید جنگ کا "اقدام" پیدا ہے

سپہرِ دینِ احمدؐ کے درخشاں چاند اور تارے
خدا کے برگزیدہ اور رسولؐ اللہ کے پیارے
سوادِ کربلا میں قتل کر ڈالے گئے سارے
نبیؐ زادوں پہ ظلمِ ناروا توڑا اعادو شمن نے
علی اصغرؑ کو بھی زندہ نہیں چھوڑا اعادو شمن نے

شہادت سے کھلا ان کی یہ ہم پر رازِ ربانی
ہوئی مقبولِ درگاہِ خدا انساں کی قربانی"
وہ قربانی کہ جس سے آج ہے باقی مسلمانی
حسینؑ ابن علیؑ سبطِ محمدؐ نورِ اظہر تھا
یہ سارا واقعہ تعبیرِ خوابِ ابنِ آذر تھا"

اگرچہ مانتی ہے حکم یہ دنیائے دوں تیرا
اگرچہ بڑھ گیا ہے اپنی حد سے بھی جنوں تیرا
مگر ابنِ علیؑ پر چل نہیں سکتا فسوں تیرا
نگو گفت ابنِ حیدر شمر را اے مردِ خونخوارے
کہ من شاہم شرم را جام خودی آید بہ عیارے

عباسؑ کی یادگار وفائیں

از قائم الملتہ جناب مولانا سید قائم مہدی صاحب قبلہ ابن سرکار شریعتمدار حجۃ الاسلام
کہف العلماء شمس العلماء آقا مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مجتہد العصر طاب ثراہ

آہ عباسؑ آپ برج قبر میں ہیں لیکن آپ کی ہدایت آفریں ضیائیں دنیا کو جگمگا رہی ہیں۔ آپ گلشن جنت میں اپنے بابا علی مرتضیٰؑ اور برادر عالی گہر امام حسینؑ کے ہمنشیں ہیں مگر آپکے اوصاف کمال کے گلشن میں حقیقت بیں نگاہیں گلچینی کر رہی ہیں اگر آپ گلشن عبادت کے شگفتہ ہیں تو شکر و اخلاص کے باغ میں شاخ باثمر ہیں تو کل صبر و استقامت کے چمن کی بہار ہیں جدوجہد و عزم و شجاعت کے باغ میں شام جان کے لئے خوشبوئے حیات پرو رہی ہیں۔

آہ عباسؑ آپ ہر منزل کی زینت تھے منزل علم و ادب ہو یا منزل تواضع و فروتنی یا منزل وفائے عہد و محبت اور کیوں نہ آپ تمام منازل شرافت و بزرگی میں ممتاز ترین ہستی ہوتے آپ باب مدینہ علم کے چہیتے فرزند ہیں سردار جوانان جنت کے وفادار بھائی ہیں، فاطمہؑ زہرا کے نور چشم ہیں، ام البنینؑ کے فخر خاندان ہیں، زینبؑ کے دل کا سہارا ہیں، حسینؑ کے قوت بازو ہیں، سکینہؑ کے محبت والے چچا ہیں پھر بھلا آپ کے گلشن فضائل کی کون سیر کر سکتا ہے۔ آپ کے مناقب کے پھول کب گلشن امکان کے مختصر دامن میں سما سکتے ہیں تمام فضائل و مناقب و محامد، اوصاف و محاسن اخلاق کی تعریف کرنا تو در کنار آپ کی صرف وفاداری کی صفت و ثنا ناممکن ہے بیشک آپ نے معرکہ کربلا میں ریگستانی زمین پر وفا کے باغ لگا دیئے۔ آپ ہی آسمان وفا کے درخشندہ آفتاب بن گئے۔ آپ ہی کی ضیا باریوں سے آج تک چراغ وفا روشن ہے۔ آہ آہ آپ کی وفاداری کے بہت سے آئینہ ہیں اور اکثر مقامات ہیں جہاں آپ کے قدموں پر وفاؤں نے سجدے کئے ہیں میں سب کا احصا کب کر سکتا البتہ پانچ منزلیں آپ کی وفاداری کی نذر قرطاس کرتا ہوں اس امید پر کہ سبب نجات ہو۔

وفا کی پہلی منزل

صدیاں گزر گئیں، دن رات آتے گئے، زمانہ میں انقلابات کے لشکر آئے اور برپا ہوئے ظلم کی آندھیاں چلیں اور مٹ گئیں لیکن عباسؑ آپ کی وفائیں کبھی مٹ نہیں سکتیں، آپ کے کارنامے صفحہ عالم میں آب زر سے لکھے ہوئے ہیں۔ شمر بہت سے ہیں لیکن حسینؑ کا اب پیدا ہونا

نا ممکن ہے۔ میدان کربلا کے ظلم کرنے والے بہت سے پیدا ہوئے اور ہو سکتے ہیں لیکن عباسؑ آپ کی وفا اس کا دوہرانے والا قیامت تک نہیں مل سکتا۔ کیا وہ منظر سمجھنے کے قابل ہے جب امام حسینؑ کو ولید نے طلب بیعت کے لئے پردہ شب میں بلایا مظلوم امامؑ ولید کے پاس پہونچے ولید نے خبر مرگ معاویہ کی سُنائی اور طالب بیعت ہوا۔ آپ نے در پردہ انکار کیا اور ظاہر میں پردہ شب کا عذر فرمایا اور فرمایا کہ صبح کو دیکھا جائیگا ولید نے قبول کیا لیکن مروان نے مخالفت کی اور کہا کہ حسینؑ اگر اس وقت نکل گئے تو ان پر قبضہ پانا محال ہے یہ خدا کے شیر ہیں بہتر یہی ہے کہ اسی وقت بیعت لے لو یا قتل کرو یہ سُننا تھا کہ غصہ آگیا اور فرمایا کہ تیری بھی مجال ہے کہ مجھے روک سکے یہ آواز بلند ہوئی اور آپ کے کان میں پہونچی آپ بھپر گئے اور دروازہ توڑ کر دارالقصر میں گھس گئے اور اپنے آقا کو بحفاظت باہر لے آئے۔

وفا کی دوسری منزل

جب امام حسینؑ پسر سعد سے تنہائی میں باتیں کرنے چلے ہیں آپ اور علی اکبرؑ ساتھ ہوئے امامؑ نے جناب علی اکبرؑ سے فرمایا کہ بیٹا تم پلٹ جاؤ میں نے اس کو تنہا بلایا ہے علی اکبرؑ نے عرض کی اس کا فرزند بھی اُس کے ساتھ ہے میں تنہا نہ جانے دوں گا۔

امام چپ ہو گئے اور متوجہ ہوئے آپ کی طرف اور کہا کہ بھیا عباسؑ تم ہی پلٹ جاؤ آپ نے کہا کہ مولا اس کا غلام بھی اُس کے ہمراہ ہے یہ غلام آقا کو کیونکر چھوڑ دے۔

وفا کی تیسری منزل

شب عاشور جب آپ تلوار پر صیقل کر رہے تھے دفعتہ نظر جا پڑی ام کلثوم پر دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ نے عرض کی شاہزادی آپ کیوں رو رہی ہیں فرمایا اپنی بدنصیبی پر تم جانتے ہو کہ کل روز قربانی اولاد رسولؐ ہے بڑی بہن زینبؑ اپنے لعل فاطمہؑ کے لعل پر نثار کرینگی اُم لیلیٰ اپنا شیر بھائی پر فدا کریں گی۔ اُم فروہ قاسمؑ کو تصدق کریں گی۔ رباب اپنا شش ماہہ بھائی پر نثار کریں گی غرضکہ ہر بی بی اپنی کمائی میرے بھائی پر لٹائیگی عباسؑ میں ایسی بدقسمت کہ کوئی فرزند نہیں رکھتی جو میں بھی سرخرو ہوں یہ سُننا تھا کہ دوڑ کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کی کہ شاہزادی اگر کوئی فرزند نہیں تو یہ غلام حاضر ہے اس کو اپنی طرف سے آقا کے قدموں پر نثار کیجئے۔

وفا کی چوتھی منزل

جب شمر نے آواز دی این بنوا اختنا کہاں ہیں میرے بھانجے مجھے کچھ کہنا ہے۔ آپ کو اُس سے کلام کرنا شاق تھا مگر حکم امام سے تعمیل پر مجبور ہوئے۔ شمر کے قریب اور بہت کراہت سے فرمایا کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا عباسؑ میں اس لئے آیا ہوں کہ تم سب بھائی میرے بھانجے ہو دل نہیں چاہتا کہ تمہاری جوانیاں برباد ہوں تم سب امان امیر میں ہو حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دو لشکر کی

سرداری لو۔ عیش و عشرت سے بسر کرو۔ یہ سُننا تھا کہ مارے غصہ کے کانپنے لگے اور فرمایا۔ تبت یداک ولعن اللہ امانک۔ خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کرے۔ خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیری امان پر غلام کے لئے اور آقا کے لئے امان نہیں ہم اپنے سید و آقا کو چھوڑ کے چلے آئیں۔

وفا کی پانچویں منزل

کیا یہ وفا فراموش ہو سکتی ہے کہ میدان کربلا میں عاشورہ کے دن اپنے تین بھائیوں کو اپنے سامنے موت کے منہ میں دے اور ماتھے پر بل نہ آئے چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ اکبر کو جن کی کنیت ابو محمد تھی مرنے کو بھیجا۔ یہ مرحلہ آسان نہیں بڑا دل چاہیئے کہ بھائی کو موت کے منہ میں بھیج دے اور ماتھے پر بل نہ آئے۔ عبداللہ داد مردانگی دے کے قتل ہوئے۔ پھر اپنے دوسرے بھائی جعفر اکبر کو جن کی کنیت ابو عبداللہ تھی میدان قتال میں بھیجا وہ بھی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔ عباسؑ کے ابرو پر شکن نہ آئی۔ پھر عثمان اکبر کو جن کی کنیت ابو عمر تھی عروس اجل کے حوالہ کیا اور خود دیکھتے رہے اس اتنا منہ سے نکل گیا ہو تو عجب نہیں کہ بھائی ابھی تو تیری شادی بھی نہ ہوئی تھی کہ موت آگئی۔

جب تینوں بھائی قتل ہو چکے تو آپ خود اپنی بھتیجی کے لئے اجازت لے کے پانی لینے چلے فوج بھاگ گئی۔ دریا پر قبضہ ہو گیا پانی بھر لیا واپس آنے میں اپنے شانے کٹائے۔ سر پر گرز کھایا۔ کنارے دریا گھوڑے سے گرے۔ آہ آہ عباسؑ آپ نے مرتے دم تک وفا سے منہ نہ موڑا۔ کیا ہیبت ناک تھا وہ خونی منظر جب آپ اپنے خون میں لوٹ رہے تھے اور علی اکبرؑ سے وصیت کر رہے تھے کہ بیٹا علی اکبرؑ عرب کا دستور ہے کہ جب کسی کی زائد توہین مقصود ہوتی ہے تو اس کی لاش پائمال کرتے ہیں مجھے یقین ہے کہ شقیا آقا کی لاش ضرور پائمال کریں گے تم میری لاش لشکر میں بھجوا دینا اور کہلا دینا کہ غلام کی لاش پائمال کرو آقا کی لاش کو پائمال نہ کرنا۔

برادر حضرت عباسؑ سا پیدا نہیں ہوتا

(جناب صوفی فضل علی صاحب فضل سکرٹیری بزم انیس کوہاٹ)

سلامی جو کہ شیدائے شہ والا نہیں ہوتا
حقیقت میں وہ بندہ بندۂ مولا نہیں ہوتا

شہادت کا جو منکر ہے وہ مومن ہو نہیں سکتا
مسلماں ہے مگر اسلام کا شیدا نہیں ہوتا

شہید ملت بیضا کا جو دامن پکڑتا ہے
اسے اس روز میں فکر و غم فردا نہیں ہوتا

محبت اور وفا کا پیکر یکسر زمانے میں
برادر حضرت عباسؑ سا پیدا نہیں ہوتا

نجف میں کربلا میں مشہد اقدس میں بطحا میں
سلامی ماتم شبیرؑ کیا برپا نہیں ہوتا

کہا شبیرؑ نے اکبرؑ سے اے لخت جگر میرے
کہ تجھ سے آج اے بیٹا عہدۂ صغرا نہیں ہوتا

خطِ صغراؑ میں بابا سے شکایت تھی فقط اتنی
مرے صغرا کا خط میں حال کیوں لکھا نہیں جاتا

زیارت کیجئے اے فضل وہ بیتاب ہوتا ہے
کہ جس نے روضۂ اطہر کبھی دیکھا نہیں ہوتا

ترانۂ عزم و شجاعت

(از حضرت ناطق بدایونی مدظلہٗ)

ایک تیری مسکراہٹ جلوہ ریزِ طور ہے　　ایک تیرے حسن سے بزمِ جہاں معمور ہے
ایک تو ماہِ بنی ہاشم سراپا نور ہے　　فکرِ انسانی سے تیری مدح سنجی دور ہے

تو حریمِ ناز میں ہے کامیابِ آرزو
اے جوان ماہ سیما اے شبابِ آرزو

ایک تیرا عزم تھا پردہ درِ رازِ وجود　　سجدہ آموزِ ملائک تھی تری شانِ سجود
تھی جلالِ حیدری کی تیرے چہرے میں نمود　　تیری چشمِ معرفت سے تھا عیاں حسنِ شہود

فقر سے لرزاں تھا تیرے عظمتِ شاہی کا زور
قوتِ بازو میں تھا تیرے ید اللّٰہی کا زور

لافتیٰ کے زلزلے پنہاں تری آواز میں　　عظمتیں شیرِ خدا کی تیرے ہر انداز میں
معرفت کا درسِ کامل تیرے سوز و ساز میں　　معجزے عیسیٰ کے ہنگامے تیرے اعجاز میں

ہنس رہی ہے تیری جرأت گردشِ افلاک پر
مُہر تیرے خون کی ہے کربلا کی خاک پر

آہ تیرے پیرووں پر ہے مسلط درد و یاس　　دست و پا مفلوج دل افسردہ اور چہرے اداس
نخلِ ملت کو نہیں آب و ہوا دنیا کی راس　　ہے تری درگاہِ والا میں یہی اب التماس

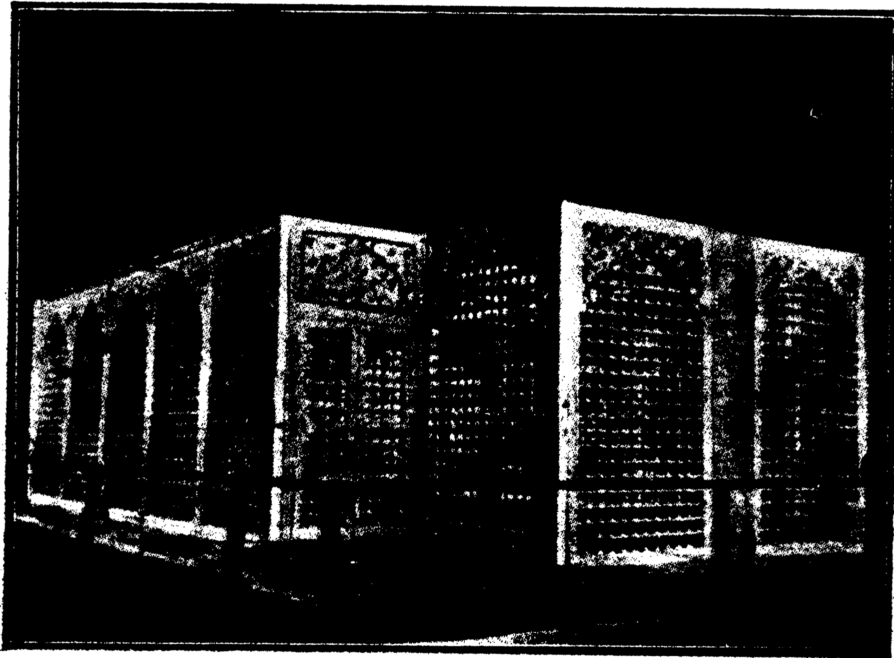
خرمنِ باطل کو سوزِ نوجوانی پھونک ڈالے
قوم کی رگ رگ میں روحِ زندگانی پھونک دے

تیرے عزم و رزم کی شاہد ہے خود نہرِ فرات　　سر بسجدہ ہے ترے نقشِ قدم پر کائنات
اُف ترے مردانہ تیور اُف تری شانِ ثبات　　تیری چشمِ بندہ پرور پر ہے ناطق کی حیات

قوم کو جوہر دکھا پھر برشِ شمشیر کا
منتظر ہے پھر زمانہ نعرۂ تکبیر کا



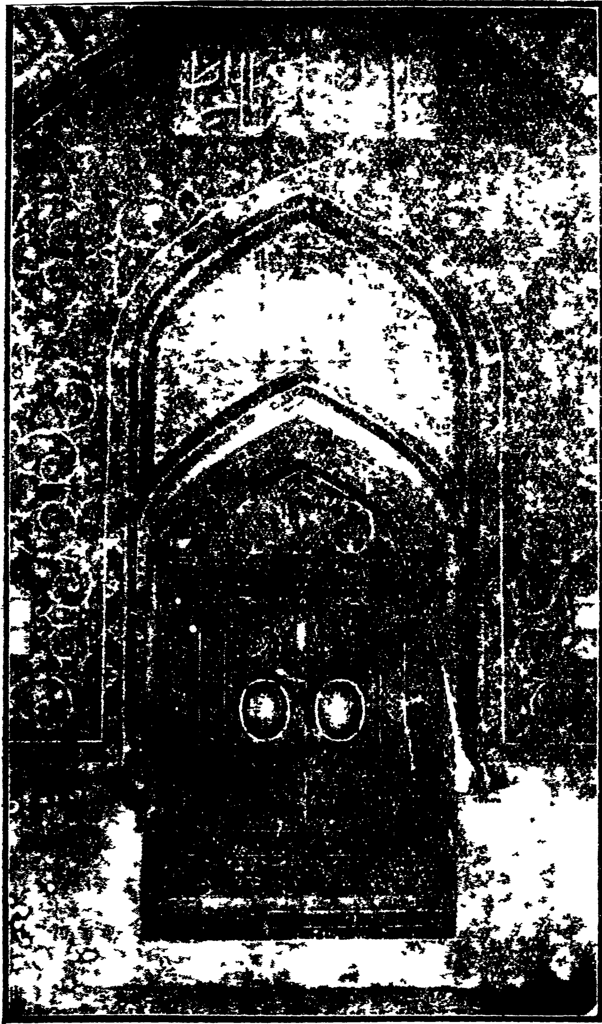
نجف اشرف



"حضرت سید الشہداء کی نئی ضریح"
جو ہز ہولی نس ملا طاہر سیف الدین پیشوائے بوہرہ کی جانب سے چڑھائی گئی ہے۔



عالی مرتبت سید بشیر حسین صاحب بہادر زیدی
جو ریاست رامپور کے ہردلعزیز وزیر اعظم ہیں



باب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام (مسجد کوفہ)

اسلام پر حسین کا احسان

از جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

رسول کہا کرتے تھے کہ فاطمہ
حسین کون ہیں ؟ پیغمبر اسلام خاتم النبین کے چھوٹے نواسے ہیں
میرے دل کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو اذیت پہونچائی اس نے مجھکو اذیت پہونچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہونچائی اس نے
خدا کو ایذا دی حسین اسی بنی زادے کا چھوٹا فرزند ہے حسین وہ ہے جو جانشین رسول قوت بازو پیغمبر اسلام کا چھوٹا بیٹا ہے
حسین ۳ شعبان سنہ ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور سات برس تک وہ نامدار مادر گرامی کی تربیت میں رہے یعنی رسول
کے اخلاق پر ادب سیکھتے رہے اسی مختصر زمانہ میں رسول اسلام نے اپنے اس چھوٹے نواسے کو مختلف عنوان سے پہچنوایا ہے
کبھی کہا کہ حسین میرا مجھ سے ہے میں حسین سے ہوں یعنی حسین وہ ہے جس سے میرا اسلام میرا دین میری شریعت باقی رہے گی
حسین ہی کی بدولت دوام نواہی شریعت محمدی باقی رہیں گے۔
حسین وہ ہے جس کا گوشت میرا گوشت ہے جس کا پوست میرا پوست ہے۔ کبھی فرمایا میں فدا ہو جاؤں اس پر جس پر اپنے
بیٹے ابراہیم کو نثار کر چکا ہوں کبھی فرمایا حسن و حسین سردار جوانان اہل جنت ہیں کبھی فرمایا حسن و حسین میری آنکھوں کی چشمہ ہیں
کبھی ارشاد ہوا یہ دونوں میرے لئے دو پھول ہیں جنت کے۔ کبھی زبان نبوت یوں گہر بار ہوئی خدا دوست رکھے
اس کو جو حسین کو دوست رکھے گویا یہ اشارہ ہے کہ اگر خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنی ہو تو حسین کو دوست رکھو اس کے
نقش قدم پر چلو اس کے احکام کو مانو جو لازمہ محبت ہے۔
حسین اگر کبھی پشت رسول پر حالت نماز میں آ بیٹھے فوراً ہی بحکم خدا جبرئیل امین آجاتے ہیں اور حکم خدا ہوتا ہے میرے حبیب
جبتک حسین خود سے پشت سے نہ اترے تم سجدہ کو طول دیتے رہو۔ رسول اسلام سجدہ میں تسبیح خدا کرتے رہے یہاں تک
جب ستر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ کہہ چکے حسین پشت رسول سے اتر پڑے حسین کا یہ فعل بچپنے کا فعل تھا
ملکہ حسین نے سجدہ میں کثرت ذکر خدا کی راہ پیدا کردی حسین وہ ہیں کہ اگر مسجد رسول میں حالت وعظ و پند میں پیغمبر اسلام
کے پاس آ پہونچے تو سردار اسلام نے بڑھ کے گود میں اٹھا لیا اور زانو پر بٹھلائے ہوئے حاضرین بزم کو خطبہ بھی سنا رہے ہیں اور نواسہ
کو پیار بھی کرتے جاتے ہیں گویا یہ ایسا ہے کہ حسین کی محبت جزو دین ہے۔ حسین وہ ہے جس کی محبت قرآن و حدیث سے ہر مسلمان
پر جو کہ شریعت محمدی کا پیرو ہے واجب ہے حسین وہ ہے جو مطابق ارشاد پیغمبر باتفاق مسلمین سبط نبی الرحمۃ یعنی نبی کی رحمت

کے دو نواسے ایک حسن دوسرے حسین ای کی دوسری فرد ہے حسین ہی کی ذات سے اسلام کو عروج ہوا۔ حسین وہ ہیں جنہوں نے اسلام کی بقا کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے حسینؑ بظاہر خود مٹ گئے لیکن صفحۂ عالم پر اسلام کا نقش ہمیشہ کیلئے ابھار گئے کیوں نہ ہو اُن کے خون میں وہی طہارت تھی جو خون پیغمبر میں تھی ورنہ رسول کیوں فرماتے لحمک لحمی و دمک دمی حسین اپنے نانا کی طرح طاہر و مطہر اور آیۂ تطہیر کے صحیح مصداق ہیں حسین اہل کسا کی پانچویں فرد ہیں شداد ابن عبداللہ کہتا تھا کہ میں نے واثلہ ابن اسقع سے سنا کہ جب امام حسین کا سر مبارک بعد شہادت شام میں لایا گیا تو اہل شام سے ایک شخص نے آپ کو اور آپکے والد بزرگوار حیدر کرار کو برا کہا ! واثلہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور جناب سیدہ کو اسوقت سے برابر دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے حضرت رسول خدا سے اُن کے متعلق حدیثیں سنیں چنانچہ میں اکیدن خدمت نبی میں کائنات نے داہنے زانو پر بٹھالیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام آئے تو اُن کو آنحضرت نے اپنے بائیں زانو پر بٹھالیا۔ پھر حضرت فاطمہ آئیں اون کو اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اس کے بعد فرمایا انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت یطہرکم تطہیرا اے میرے اہلبیت خدا کا ارادہ برابر یہی رہتا ہے کہ تم لوگوں کو برابر ہر برائی سے دور رکھے اور تم لوگوں کو حقیقی طہارت منفعت رکھے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۶)

اس قسم کی متعدد حدیثیں کنز العمال۔ مشکوٰۃ۔ صحیح مسلم وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

حسین کی ہستی کو محض اس نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ رسول اسلام کے نواسے ہیں بلکہ حسین وہ ہیں جنہوں نے پیکر عالم میں حریت کی روح پھونکدی دنیا میں آزادی کا علم گاڑ دیا۔ غریبوں کی ہمدردی مفلسوں کی خبر گیری مظلوم کی رعایت ظالم کی سرکوبی یا ترک موالات کا سبق دیدیا۔ حسین اگر مذہب کے اعتبار سے اعلیٰ پیمانے کے مذہبی ہیں تو اقوام عالم کی نظر میں بنی نوع انسان کے رہبر کامل ہیں۔

کیا تھا اگر حسین یزید کی بیعت کر لیتے۔ سوال تو بہت آسان ہے مگر حسین نے یزیدی احکام کو ٹھکرا کر تمام دنیا کو سبق دیدیا کہ جبر و استبداد سے اظہار حق میں خوفزدہ ہونا انسانیت کے خلاف ہے اگر کوئی ظالم اپنی سطوت و حکومت سے حق کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کے خلاف محاذ جنگ قائم کرنا فطرت انسانی کے موافق ہے کیونکہ حق پرستی فطرت انسانی کا جوہر ہے حسین اپنی دور بین نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ یزید کی بیعت کر لینا یہ صرف میری بیعت نہ ہوگی بلکہ حق کی شکست اور باطل کی فتح ہوگی رسول کی تبلیغی جد و جہد پر پانی پھر جائے گا بعد یزید کو اوامر الٰہی کے برطرف کرنے میں اور نواہی باری کے رواج دینے میں کوئی خطرہ نہ باقی رہے گا۔

یزید جانتا تھا کہ حسینؑ پیغمبر اسلام کے نواسے اور اُن کے سچے جانشین ہیں انھیں پیغمبر اسلام نے اپنی تمام کائنات سپرد کر دی ہے وہ اپنے نانا کے شریعت کے مخالف کوئی امر گوارا نہ کریں گے۔ یزید کو کس چیز کی کمی تھی کہ وہ ایک گوشہ نشین فرد سے

بیعت کا طالب ہوا وہ بھی وہ جس کے یہاں سے تا قوتیہ فاقے کی حالت میں سائل محروم واپس نہ ہوئے یزید جانتا تھا کہ شریعت محمدی میں شرابخواری و زناکاری ظلم و بدعت حرام ہے جبتک حسین کی ذات موجود ہے ان افعال قبیحہ کو رواج نہ ہوگا یزید نے چاہا کہ جب یہ چراغ ہدایت گل ہو جائے گا تو ایک مرتبہ پھر دنیا کفر و ضلالت کی تاریکی میں آپڑے گی اور پھر اس اندھیری میں جو چاہونگا کروں گا۔ یزید نے اپنی دانست میں جو کیا خوب کیا لیکن یزید کو اس کی خبر نہ تھی کہ ان بیگناہوں کے خون کا ایک ایک قطرہ شمع ہدایت بن کر دنیا کو روشن کر دے گا۔ نواسہ رسول بڑی بیدردی انتہائی بیرحمی کے ساتھ روز عاشورہ شہید تو کر دیا گیا مگر انداز قربانی ایسا پسندیدہ باری ہوا کہ آج بھی اس نے اس کا نام مثل آفتاب عالمتاب روشن ہے۔ اور کیونکر نہ اس کا نام روشن ہو جب کی محبت پیکر اسلام کا خون اور ہر حساس افراد انسانی کے لئے سرمایۂ حیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب افق سمار پر ہلال محرم منودار ہوتا ہے آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں دل میں درد اور جگر سے ہوک اٹھتی ہے خیال آتا ہے کہ یہی وہ مہینہ ہے جسمیں آل رسول کڑی دھوپ اور لو کی لپیٹ میں صحرا نوردی میں مشغول تھے یہی وہ مہینہ ہے جسمیں سردار اسلام کا باغ تمنا پامال خزاں ہوا یہی وہ مہینہ ہے جسمیں بنی زادی کی کمائی لٹ گئی یہی وہ مہینہ ہے جسمیں علی کا لال آلام و مصائب میں گرفتار رہا یہی وہ مہینہ ہے جسمیں آل رسول پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہی وہ مہینہ ہے جسمیں حسین کے بچے العطش العطش کی صدائیں بلند کر رہے تھے لیکن ان کو کوئی پانی دینے والا نہ تھا یہی وہ مہینہ ہے جسمیں گلشن اسلام میں باد خزاں کا زبردست جھونکا آیا تھا مگر حسین نے اپنی بربادی گوارا کی اور اسلام کے باغ کو اسی طرح ہرا بھرا رکھا جیسا کہ عہد پیغمبر میں تھا اگر حسین اپنی جان بچاتے تو کوئی مظلوموں کی ہمدردی کرنے والا نہ ہوتا اگر حسین اپنی جان عزیز کو محبوب کرتے تو آج امور شریعت جس آزادی سے انجام پاتے ہیں ہرگز انجام نہ پاتے حسین نے دکھا دیا کہ اگر نیت میں خلوص اور ارادہ میں استحکام و استقلال ہو تو بڑی سے بڑی طاقت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی واقعہ یہ ہے اور مثل ہے کہ حق کا بول بالا ہوتا ہے حسین حق پر تھے انھوں نے حق کا نام باقی رکھا جبھی تو ایک بالمعرفت بزرگ شاہ معین الدین چشتیؒ اس واقعیت کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ	دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست کہ در دست یزید	حقا کہ بنائے لا اللہ است حسینؑ

مولائے کائنات

(حضرت ضیا عظیم آبادی)

جس پر تمام دولتِ کونین ہے نثار
جس پر درود پڑھتے ہیں جن و بشر ہزار
جس نے کیا ہے عہدِ محبت کو استوار
بنتِ رسول پاک کا یہ نورِ عین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

جس نے جوان لال کو اذنِ وغا دیا
جس نے کہ صبر و شکر جہاں کو سکھا دیا
جس نے خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا
مولائے کائنات شہِ مشرقین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

تکمیل جس کے دم سے رسالت کی ہو گئی
پرنور جس سے شمعِ ولایت کی ہو گئی!
جس کے سبب سے شانِ مشیت کی ہو گئی
یہ جانِ مرتضیٰ ہے یہ زہرا کا چین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

آیا تھا جو جہان میں پیغام کیلئے
ترسا ہے کربلا میں جو اک جام کیلئے
قربان ہو گیا ہے جو اسلام کیلئے
جس کیلئے ملک میں بھی اک شور و شین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

سر تن دبر صاحبِ ایمان و آگہی
جس کی رضائے حق پہ ہوئی مرگ و زندگی
بیشک بنائے کلمۂ توحید ہے یہی
یہ فاطمہ کے قلبِ شکستہ کا چین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

تخلیق جس کے واسطے کون و مکاں ہوئے
پرنور جس کے نور سے دونوں جہاں ہوئے
رازِ نہانِ خدا کے بھی جس پر عیاں ہوئے
خیبر کے بادشاہ کا یہ نورِ عین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

قائم رہا ہے صبر جو ظلم و ستم میں بھی
جو سب سے پیش پیش تھا لطف و کرم میں بھی
جو مسکرا رہا تھا ہر اک رنج و غم میں بھی
یہ جانشینِ فاتحِ بدر و حنین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

جس کی ولا ہے باعثِ تسکینِ روح و دل
رنگین جس کے دم سے ہوئی ہے یہ کہکشاں
احمد کے گلستاں کا ضیا ہے جو باغباں
قربان جس پہ قلبِ شکستہ کا چین ہے
یہ شاہ دوسرا کا نواسہ حسینؑ ہے

مجسمہ وفا

(از عالیجناب مولانا سید محمد مصطفیٰ صاحب قبلہ)

پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد مقدس کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق امیں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاق کی بزرگیوں کو انکی حد کمال تک پہونچا دوں، جہاں حضرت کی بعثت کا خلاصہ اور تئیس برس کے کارناموں کا نچوڑ ہے۔ وہاں اس بات کا رہبر بھی ہے کہ بعد رسول جانشینی کا حق انھیں تھا جنھوں نے پیغمبر اسلام کی اس داغ بیل پر عمارت اٹھائی اس سرمشق پر تحریریں لکھیں اور اسی نقش قدم پر گامزن رہے نہ ان کو جنھوں نے مکارم اخلاق کے پرتو سے اپنے دل کو منور کرنا کجا اس میں اس نور کیلئے روزن تک نہ چھوڑا بنی ہاشم و بنی امیہ کی باہمی نزاعیں اسی اصول کے ماتحت ہیں کہ بنی ہاشم مکارم اخلاق کے علمبردار تھے اور بنی امیہ مساوی اخلاق کے اِدھر خوف خدا تھا اُدھر ناخدا ترسی اِدھر احکام الہٰی کی تعلیم تھی اُدھر توہین اِدھر سیرت رسول کی پوری پوری متابعت تھی اُدھر مخالفت۔ اِدھر اوامر و نواہی کی ترویج تھی اُدھر تنسیخ۔ اِدھر مساوات و برابری کی تعلیم تھی اُدھر قیصریت و فخر بیجا کی تلقین۔ اِدھر جود و سخا کا دروازہ اپنے اور اپنے بیگانے دونوں کے لئے برابر کھلا رہا۔ اُدھر ذوی الارحام ہی کی تھیلیاں بھری گئیں یہ وہ سامنے کی مثالیں ہیں جن سے صفحات تاریخ مملو ہیں۔ دنیا زر پرست ہے اور زر کی بارش میں نشو ونما پاتی ہے دام زر وہ پرزور طاقت رکھتا ہے کہ بڑے بڑے باہمت و باغیرت اس کے اسیر نظر آتے ہیں الا ماشاء اللہ یعنی وہ ہستیاں جنھوں نے اپنے دلوں کو پنجۂ مشیت الٰہی میں دیدیا ہو وہ کبھی اس دام میں نہیں آتے اس دام میں اُن کا آنا کیسا یہ دام اُن سے اٹھا تک نہیں یہی سبب تھا کہ بنی ہاشم کی جانب کثرت نہ رہی یہ قلیل جماعت تھیں من عبادی الشکور کی مصداق رہی اور اسی عالم میں مکارم اخلاق کی تعلیم اپنا شعار رکھا بنی امیہ نے اپنے زمان عروج میں اپنی ہمہ گیر طاقت سے ایسا زبردست حملہ مکارم اخلاق کی عمارت پر کیا کہ اپنے زعم باطل میں اس کو ڈھا ہی ڈالا۔ لیکن دنیا کی نگاہوں کے سامنے مظلومیت کا غبار حائل تھا جیسے مکارم اخلاق کی عمارت اسی طرح سر بفلک کشیدہ رہی جیسی پہلے تھی جب غبار مظلومیت نے نگاہوں کو راہ دی حق تلاشی نے رہبری کی تو دنیا کی حق بین نگاہوں نے سمجھا کہ یہ عمارت (مکارم اخلاق) نہ مسمار ہوئی ہے (ورنہ قیامت تک اسپر زوال کا اثر ہوگا۔ جوں کی توں تا بحشر قائم رہے گی۔ زبردست حملہ کربلا کا خونیں منظر تھا جس میں بنی ہاشم اور اُن کے مٹھی بھر جاں نثار اس عمارت کے گرد پہرے سنبھالے ہوئے تھے جو کے بعد دیگرے مکارم اخلاق کے قدموں پر سر نذر کر گئے اس معرکہ میں شجاعت و غیرت۔ ہمت و مروت۔ صدق و وفا۔ خدا ترسی۔ خدا پرستی۔ حق کوشی و حق پروری۔ امداد مظلوم و مدافعت ظالم کوئی شعبۂ اخلاق ایسا نہ تھا جس کی سچی تصویر عالم کے سامنے نہ آگئی ہو یہاں تک کہ

مجسمۂ مکارم اخلاق حسین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی زبان مقدس پر یہ کلمات جاری ہوئے لا اجد اصحابا ابر واوفی من اصحابی زبان معصوم کے کلمات حقیقت سے بے لگاؤ نہیں ہوتے محل تبلیغ وبیان وصف میں مبالغہ سے دور رہتے ہیں وہ اس بات کے محتاج نہیں کہ غلو کی حد میں کلام لا یا جائے تو موثر ہو یا قابل اعتنا ہو وہاں تو حقیقت کی روح اور الفاظ کے پیکر ہوتے ہیں جو ذرا بھی زیادہ مطابق واقع۔ امام حسین علیہ السلام کا اپنے اصحاب کے بارہ میں یہ ارشاد کہ میں کسی کے اصحاب کو اپنے اصحاب سے زیادہ فادار اور نیکوکار نہیں پاتا۔ یہ اُن کا مکارم اخلاق کے نمونوں کے لئے بہترین مدح ہے جسے مجاز سے دور کا بھی کوئی رشتہ نہیں ہوتا ریخ کربلا کی ورق گردانی کرنے والے جانتے ہیں کہ امام حسین نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ حقیقت کی منزل میں ہے اس ارشاد نے مجموعی حیثیت سے اصحاب کی منزلت آشکار کر دی لیکن جس طرح انبیاء نبوت کی منزلت میں مشترک ہونے کے بعد بھی ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اسی طرح ان اصحاب میں بھی اس منزل بر و وفا میں مشترک ہونے کے بعد باہم تفاضل و ترجیح مزید ہے کیا محمد و زہیر ہم پلہ ہو سکتے ہیں کیا ہلال ابن نافع و حبیب ہم رتبہ ہیں کیا اصحاب و بنی ہاشم برابر ہیں کیا ام البنین کے بیٹوں میں مساوات ہے۔ ہرگز نہیں تین بیٹے ایک طرف اور عباس ایک جانب جب کبھی ہمسری ناممکن ہے۔ میں جناب عباس کی اُن تمام خصوصیتوں کا جو اُن کی ذات سے مختص نہیں ترک کر کے صرف اس وصف جانب رجوع کرتا ہوں جس کا ذکر امام حسین نے اپنے اصحاب کے بارے میں کیا ہے اور وہ تیر و وفا ہے حضرت عباس کی وفا کا تذکرہ اتنا عام ہے کہ اس کے وصف کے سوا آپ کا اور کوئی دوسرا وصف ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ نہ علم و معرفت کا۔ نہ عبادات کا۔ نہ اخلاق و امانات حسنہ کا نہ زہد و ورع کا۔ جو ہے وہ وفا کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن اس منزل میں وفائے عباس کی تصویر اس حیثیت سے بیان کی جاتی ہے کہ استدلال بری صورت اختیار کر لیتا ہے میں بھی وفا ہی کی جانب متوجہ ہوں۔ لیکن اس ارادہ سے کہ بیان ارشاد معصوم کے دائرہ کے باہر نہ جا سکے اور اگر وفائے عباس کی مدح ہو تو زبان معصوم سے اس میں شک نہیں کہ عباس کی وفا کوئی پوچھے حسین سے لیکن اس وفا کی تصویر کشی یوں کرنا کہ اگر ایک شخص کی دو بیبیاں ہوں اور دونوں کے اولاد ہو تو باہم بشری حیثیت سے کشیدگی یعنی سوتیلا پن نمایاں ہو ہی جاتا ہے اور جا و بیجا اُس کا اظہار ہوتا رہتا ہے لیکن عباس اس امر میں مفتخر ہیں کہ انھوں نے اس پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا اور حسین کو حقیقی بھائی سمجھتے رہے۔ یہ ہے عباس کی وفا کا کارنامہ یہ میرے نزدیک اس میں عباس کی مدح نہیں ہے۔ مرتبہ کی تنقیص ہے عباس اور حسین میں تو خون کی شرکت موجود ہے بطن کا فرق ہے ورنہ ایک اصل کی دو شاخیں ہیں اگر اس شرکت نسلی کی بنا پر وفائے عباس قابل صد ستائش ہے تو اصحاب حسین کو حسین کے ساتھ تو نسبتاً بھی رابطہ نہ تھا لہٰذا اُن کی وفا خالص لوجہ اللہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے اصحاب حسین کا پلہ گراں نظر آتا ہے اور معاذ اللہ جناب عباس کی وفا کا پلہ سبک کیونکہ ان کی وفاداری شرکت نسلی کی ممنون تھی اور جس طرح عباس نے خود کو حسین کا علاتی بھائی نہ سمجھا اصحاب نے اپنے کو غیر نہ جانا پھر دونوں صنفوں میں کیا فرق و امتیاز باقی رہ جاتا ہے لیکن ارباب معرفت جانتے ہیں کہ عباسؑ عباسؑ ہی تھے۔ اور اصحاب اصحاب ہی

تھے اولدسرکولابیہ کے مطابق عباس کو علی ابن ابیطالب سے جو کمالات وراثۃً ملے تھے ان میں اصحاب حسین سے ایک کی بھی شرکت نہیں تھی۔ یہ خصایص ذاتیہ علحدہ ہیں دیکھئے امام حسین اپنے اصحاب کیلئے کیا فرماتے ہیں لا اجد اصحابا ابر واوفیٰ من اصحابی۔ یعنی ان میں سے ایک ایک اپنے وقت کا سلمان وابوذر تھا اس ارشاد نے ان حضرات کی حقیقت نمایاں کو دی اور بتادیا کہ ان کو دوسرے عصر کے اصحاب کے سامنے لایا جائے تو یہ ابرّ اوفیٰ ہی نکلیں گے عہد نبوی وعلوی وحسنی میں اگر دو چار ایسے نکلے تو یہاں بہتر کے بہتر ایسے ہی ہیں لیکن اگر زبان معصوم ان برگزیدہ اصحاب کو ایک پلڑے میں رکھے اور عباس کو دوسرے پلڑے میں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ عباس کی منزلت کہاں پہونچ سکتی ہے۔ سنئے مظلوم کربلا اپنے قوت بازو کے اذن جہاد کے وقت کیا فرماتے ہیں اذا ذہبت ذہب عسکری اگر تم گئے تو میرا لشکر جاتا رہے گا۔ زبان حسین نے بتادیا کہ عباس تن تنہا ایک لشکر ہیں اس لشکر کے خصوصیات پیش نظر رکھو اور دیکھو مظلوم کربلا نے الفیں ابر واوفیٰ کہا ہے تو کل اصحاب کی وفا ایک پلڑے میں اور عباس کی یکہ وفا ایک پلڑے میں تبھی تو امام حسین عباس کو اس وقت تک بچاتے رہے جبتک لشکر رہا گویا ایک لشکر کو میدان میں لڑنے کو بھیجا اور دوسرے کو محفوظ رکھا جب پہلے لشکر کا خاتمہ ہو چکا تو اس لشکر کو آگے کیا یہ وفائے عباس جس کی نظیر عالم کے ورق پر ملنی محال ہے۔ تمام دنیا میں اسلام کے وفادار بہتر اور اسلام کے وفاداروں میں حسین مظلوم کے وفادار بہتر اور اُن سے بالاتر وفائے عباس گویا روز عاشورہ معنی وفا پیکر عباس میں مجسم ہو گئی تھی اور اس واقعہ کے بعد نہ تو کوئی ایسا معرکہ ہوگا نہ وفا مجسم نظر آئیگی!

آیاتِ قرآنی کے ساتھ

از جناب نانک چند صاحب نانک لکھنوی!

فاطمہ بھی روئیں میری اشک فشانی کے ساتھ
خود پریشاں ہو گئیں میری پریشانی کے ساتھ

حشر تک ہوگا نہ اہلبیت سے قرآں جدا،
ہے وہ ان کے ساتھ یہ آیات قرآنی کے ساتھ

خانۂ کعبہ میں آیا نصیری کا خدا،
سر بتوں کے جھک گئے سجدوں میں حیرانی کیساتھ

کھہ کے پلٹی آنکھ کی پتلی کہ وہ آئے علیؑ،
نزع کی مشکل ہوئی آسان آسانی کے ساتھ

کاٹ کر جب فرق مرحب کو اٹھی تیغ علیؑ،
چار آئینے میں منھ تکتے تھے حیرانی کے ساتھ

حلق اصغر پر لگا ناوک تو یہ بولی قضا
بخشش امت لکھی تھی اس کی قربانی کیساتھ

تھا لب سرور پہ بعد قتل خالق شکر ہے
کٹ گئی تن سے مری گردن کس آسانی کے ساتھ

چھوٹ کر زنداں سے گئے تو وطن اہل حرم،
زندگی کے دن کٹے لیکن پریشانی کے ساتھ

پرسش روز قیامت کا ہے نانک خوف کیوں
ہو گا اس دن حیدر کرار کے جانی کے ساتھ،

روزِ عاشورہ کی خیرات

قوم کے بہترین انشا پرداز حضرت بیباک ماہلی کے قلم سے

(۱)

فقیروں کی وہ صدا بھی نہایت دلدوز اثر پذیر ہوتی ہے جب کہ شام دن کی دوا دوش کے بعد مایوسی و ناامیدی کا ہیبتناک فوٹو سامنے آجاتا ہے۔ اضطرار و اضطراب بڑھ جاتا ہے۔ شکل شباہت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہر شخص کی ہمدردی و ترحم کا جذبہ لینے کے لئے دل کو کپکپانے والے الفاظ کو یوں دہراتا ہے کہ۔

"خدا اور رسول کے واسطے میں! اہلبیت اطہار کے صدقہ میں! اپنی جوانی کے طفیل میں، بابا بچوں کے تصدق میں، حسین کے نام پر ایک پیسہ، حسین تیری کمائی میں برکت دیں گے"

جنہوں ان حضرات نے ایبٹ روڈ لکھنؤ کی امین آباد کی سڑکوں پر یا دہلی کی جامع مسجد کے سامنے یا دیگر مقامات و موقعوں پر اپنی بساط کے ہاتھوں پر پھیر رکھا ہے۔ انھیں ان کی فلاکت زدہ طبیعت کا کافی احساس ہوا ہوگا اور ان کی نظریں اس عبرتناک منظر کا کیف اکثر حاصل کرتی ہوں گی۔

یہ سچ ہے غریب و مفلس آدمی پر اس کی زندگی بھی بار ہو جاتی ہے اس کی بے لطف زندگی پر وہ رعنائیاں نہیں ہوتیں جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، وہ ہر پہلو سے نامکمل انسان نظر آتا ہے اس کی فہم و فراست کا دائرہ محدود ہو کر ایک سائلانہ نقطہ پر آجاتا ہے۔ وہ ہمت ہار بیٹھتا ہے اور بیکاروں کی صف میں ممتاز حیثیت سے رہنے لگتا ہے۔ کاش وہ قدرت کے عطا کئے ہوئے اعضا و جوارح سے کام لیتا۔ محنت و مشقت کو ذریعۂ معاش ٹھہراتا۔ مزدوری و حرفت کی پاک کوڑی کو خدائی دین تصور کرتا تو آج اس کے چہرے پر اس افسردگی پریشانی کے آثار نظر نہ آئے اور نہ دنیا اسے اس حقیر و ذلیل نگاہ سے دیکھتی جس کا آج وہ شکار ہو رہا ہے بلکہ آج اس میں وہ جوہر موجود ہوتے جسے متمدن دنیا تلاش کرتی ہے۔ جس کا ملک بھوکا ہے جس کی قوم پیاسی ہے جس کی برکت سے جاپان و امریکہ دیگر ممالک دنیا سے اپنا صنعت و حرفت کا خراج وصول کر رہے ہیں اور دنیا نہایت خوشی و رغبت و خواہش کے ساتھ ان کی محنت و جفاکشی کی داد سونے و چاندی کے سکوں سے دے رہی ہے۔

لیکن کبھی ان فقیروں سے ان متمول و مالدار انسانوں کی طبیعت کی پستی و ذلالت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے جو ہمیشہ روپہلی و سنہری ٹھیکریوں سے کھیلا کرتے ہیں، عالیشان پختہ محلوں میں رہا کرتے ہیں، جن کا دل و دماغ باغات کی سیر و تفریح سے صبح و شام لطف اندوز ہوا کرتا ہے، جن کے لئے رات کیا آتی ہے ایک پریخانہ ساتھ لاتی ہے یا سینما و تھیٹرز کا اشتہار دعوت نامہ پیش کرتی کہ مردوں کے ساتھ

عورتوں کے دل بھی تڑپ اٹھتے ہیں، اور دلکش و جاذب نظر بولتی تصویروں کا نقشہ دنیا سے زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتا ہے اور انھیں اس بات کی بالکل خبر نہیں ہوتی کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟ ہم پر بنی نوع انسان کا کیا حق ہے؟ کہیں اس فراوانی دولت سے ہمارا امتحان تو مقصود نہیں ہے! ایسا نہ ہو کہ ایک دن ہم سے اس کی بازپرس ہو اور جب نے ہم کو یہ دولت عطا کی ہے وہ سوال کر بیٹھے کہ کیا اس میں غربا و مساکین کا حق نہیں تھا۔ بیواؤں اور یتیموں کا حصہ نہ تھا، قومی و ملکی ضروریات کی ذمہ داریاں نہ تھیں، حق امام نہ تھا، ہم نے صاف صاف رسول کی زبان سے کہلا دیا تھا کہ "ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین و ابن السبیل" پھر ہم کیا جواب دیں گے۔

(۲)

شام کے مشہور شہر بیروت کا قاضی انھیں لوگوں میں تھا جن کے گھروں کو دولت نے دیکھ لیا تھا مگر یہ ناممکن تھا کہ مکھی شہد پر بیٹھ جاتی اور .... چیونٹی وہاں تک پہونچ جاتی اور اس کے انڈے بچے تک تلف نہ کر دیئے جاتے۔

چنانچہ بیروت جیسے مہذب شہر میں جو کہ علما و فضلاء کا مسکن تھا اساتذہ ادب کی منزل تھی جہاں کے علیائیوں تک کی مادری زبان کی وہ وہ خدمتیں یورپی و امریکن اصول پر کر رکھی تھیں کہ آج بھی ان کی تصنیف شدہ ہزاروں کتابیں پائی جاتی ہیں قاضی کی دولت و ثروت کا تذکرہ از راہ تمسخر کیا جاتا تھا اور جستجو و تلاش تھی کہ کوئی موقع آئے تو لطف کے ساتھ اس قارون ثانی کا تذکرہ زیب دہ قلم و قرطاس ہو۔

اب اسے اتفاق کہئے یا ان کی تمناؤں کا اثر ایک سال روز عاشورہ گھر سے نکلتے ہی قاضی صاحب نے ایک فقیر کو دیکھا جس کے چہرے کی جھریاں اس کے بوسیدہ لباس کی شکنوں سے ملتی جلتی تھیں جسے دیکھ کر خواہ مخواہ ترس آتا تھا جس کے جوتے کئی دفعہ کا نٹھنے کے بعد بھی دانتوں کو نکالے ہوئے تھے جس کے ایک ہاتھ میں ایک نا تراشیدہ ڈنڈا اور دوسرے ہاتھ میں کشکول بنی ہوئی ٹوپی تھی، قاضی کو دیکھتے ہی فقیر نے کہا۔

"میں آپکے پاس آج روز عاشورہ جیسے عظیم الشان دن ایک حاجت لایا ہوں۔ پہلے میری سنو، پھر اپنی کہو۔ آہ! آج ہی کے روز نبی کا پیارا حسین پیاسا مارا گیا ہے' دریا کے کنارے' دریا کے کنارے' تین دن کا پیاسا تھا، تین دن کا پیاسا اللہ، اللہ قاضی صاحب نے اس خیال سے کہ فقیروں سے الجھ کر کچھ نہ کچھ گرہ سے کھونا پڑے گا، چاہتے ہی تھے کہ بچ کر نکل جائیں کہ فقیر نے پھر کہا۔

"سنتا ہے شہزادے، تجھ ہی سے کہتا ہوں، عظیم الشان دن ہے، عظیم الشان، مسلمانوں کی تاریخ میں ایسا دن کوئی اور نہیں ہے" جسے سنکر قاضی صاحب سے ضبط نہ ہو سکا تڑپ کر بولے۔ کیا سناتا ہے سناؤ"

فقیر۔ مجھ جیسے فقیر تم کو روزمرہ بازاروں میں نہیں مل سکتے تم کو اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے کہ میں تمھارے سامنے

کھڑا ہو گیا۔

قاضی۔ کیوں نہیں مل سکتے؟

فقیر۔ دیکھو میرے چہرہ پر حسرت برستی ہے۔ غم کا اثر چھایا ہوا ہے لیکن دوسروں کے لئے یہ چہرہ دولتمندی کا منبع ہے اب اس سے زیادہ، تم فقیر سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ دولتمندی کا فقرہ سنتے ہی قاضی کے منھ میں پانی آ گیا جلدی سے بولے: اچھا کیا چاہتے ہو؟

فقیر۔ روز عاشورہ کے واسطے میں خیرات۔

قاضی۔ روز عاشورہ کے واسطے میں حسین کے نام پر!

فقیر۔ ہاں! ہاں! اسی حسین کے واسطے میں جس کے لئے عید کے دن جنت سے کپڑے آئے تھے۔

قاضی۔ اچھا پہلے بتاؤ کہ کیا خیرات چاہتے ہو؟ پھر میں سوچ کر جواب دوں گا۔

فقیر۔ تھوڑا گوشت روٹی اور دو درم بس اس کے سوا فقیر کچھ نہیں چاہتا۔

قاضی۔ اس قدر زیادہ سامان لے کر کیا کرو گے؟

فقیر۔ بابا یہ کچھ زیادہ تو نہیں ہے۔ بیوی ہے چند بھوکے بچے ہیں۔ میں ہوں،

قاضی، (کچھ سوچ کر) اچھا دو پہر کو آنا۔

فقیر چلا گیا۔ قاضی صاحب سوچنے لگے سوال تو کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے مگر عاشورہ کے روز حسین کے نام پر مانگتا ہے اگر دوں گا تو حسین کی طرف سے اس کا اعتقاد اور پختہ ہو جائے گا حسین کی محبت اس کے دل میں اور گھر کر لیگی اس کے بیوی و بچے سنیں گے کہ حسین کے نام پر مانگ کر لایا ہے تو ان کا دل بھی حسین کی طرف کھنچے گا لیکن نہ دینے سے ممکن ہے کہ یہ سمجھا ہو تو مجھے دولت بھی نہ ملے گی اس لئے دوں کہ نہ دوں کہ اسی غور و خوض میں دو پہر ہو گئی فقیر نے آ کر صدا دی۔

"بابا! دیدے، تیرا بھلا ہو۔ اپنے نام حسین کا۔

چونکہ قاضی صاحب کے فیصلہ کی منزل ختم نہ ہوئی تھی اس لئے سہ پہر کو آنا کہدیا اور جب سہ پہر کو آیا تو شام کو بلا دیا اور شام کو کہدیا کہ عشاء کی نماز کے بعد آنا اور لگے سوچنے۔

"غریب و محتاج کو دنیا گناہ نہیں ہے لیکن حسین کے نام پر خیرات دینا گویا حسین کے نام کو زندہ کرنا ہے۔ ان کی عظمت جلالت کا اعتراف ہے ان کی ہمدردی و محبت کا ثبوت ہے علاوہ اس کے اس میرے نام حسین پر خیرات دینے سے ایک معتم سے ان کے نام کی تبلیغ ہوگی اور حسینی تبلیغ سے ہمارے بزرگوں کے خیالات کو ضرب پہونچے گی۔ اگر حسین کے نام کو دنیا میں روشن کرنا مقصود ہوتا تو یزید انھیں قتل کیوں کرتا اور ہمارے والے ذکر حسین کے سننے کی ممانعت کیوں کرتے یہ ضرور ہے کہ

حسین نواسۂ رسول تھے، جگر گوشۂ علیؑ و بتولؑ تھے ان کے لئے جیسا فقیر کہتا ہے محلّہ بائے جنت ضرور آئے تھے مگر سیلاب تو اسے ہم سے اچھا جانتے تھے اور کربلا کے میدان میں بھی اس کے جاننے والے ہم سے اچھے موجود تھے بلکہ اکثر دیکھنے والے بھی موجود تھے پھر کیوں انھوں نے ان کے مرتبہ کا لحاظ نہیں کیا اور معہ بچوں کے تین دن کا بھوکا پیاسا قتل کر ڈالا اور قتل ہی نہیں کیا بلکہ ان کے ناموس کو اسیر کر کے بے مقنعہ و چادر در بدر پھرایا اور یہیں ان کی مجلسوں میں جانے سے روکا ان کے تذکروں کے سننے کی ممانعت کی۔

اس لئے ان کی تاسی میں خواہ وہ اچھی ہو یا خراب یہیں ہرگز ہرگز حسین کے نام پر خیرات نہیں دینی چاہئے بلکہ حسین کے نام کو دیگر روشن کرنے کے بجائے نہ دیکر بجھانا چاہئے تاکہ فقیر سمجھ جائے کہ حسین کا نام برکت سے خالی ہے کہ اس عرصہ میں فقیر آگیا اور اس کے صدا دیتے ہی قاضی صاحب نے نہایت جھلائی ہوئی آواز سے کہدیا کہ جاؤ! میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ تم کو دوں فضول کی دوڑ لگا رکھی ہے۔

(۳)

فیاضی و سخاوت اگر صرف دولت کی فراوانی پر موقوف ہوتی تو آج دنیا قارون کے نام کو کراہت کے ساتھ نہ لیتی اور نہ حاتم کے نام کو اچھالتی اور اس کی مثال کو فخر و ناز کے ساتھ قبول کرتی فیاضی و سخاوت کے واسطے ضرورت دردمندوں کی ہے۔ غریبوں مصیبت زدوں کے مصائب سے متاثر ہونے کی ہے۔ ورنہ دل و پتھر میں کوئی فرق باقی نہ رہتا یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اکثر سرمایہ داری سے ممتاز نہ ہونے والے بھی فیاضی و رحمدلی اور اخلاق و خدمت خلق کے بہترین اوصاف سے متصف ہو کر ان منزلوں پر نظر آتے ہیں جہاں بڑے بڑے دولتمندوں کی رسائی ناممکن ہے۔

ہمارا ہیرو جس کا نام نامعلوم عیسائی بھی الفقیر، بلند خیال ہمتوں میں تھا کہ ہمیشہ اس کا دل غریبوں کی غربت و مفلسوں کی افلاس کو دیکھ کر موم کی طرح پگھل جاتا تھا وہ اکثر غریب و بیکس مریضوں کو گود میں لے کر رونے لگتا اور اس کی تیمارداری کو اپنے لئے سرمایۂ نجات تصور کرتا تھا اس سے کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایک فقیر کو جس کی کہ امید بام مراد تک پہونچ کر ٹوٹ چکی تھی دیکھتا کہ سرِ راہ بچوں کی گرسنگی کے خیال سے چیخنا چلانا، رونا اور بلند آواز سے کہتا ہے کہ۔

"غضب خدا کا، ایسا اندھیر، اتنا ظلم، ایسی بیرحمی، اور اس کی آنکھوں سے آنسو نہ نکل آئے۔ پوچھ نہ بیٹھتا کہ۔

"کیسا ظلم کونسا اندھیر کس نے بیرحمی سے کام لیا؟"

فقیر۔ کسے بتاؤں! ظالم نے ذرا بھی نہ سوچا کہ اسوقت میرے بچے کیا کھائیں گے۔ دغا باز نے میری ساری کوششوں اور امیدوں پر الٹی جھاڑو پھیر دی۔

عیسائی۔ کس نے؟

فقیر۔ قاضی نے اور کس نے :

عیسائی۔ بات کیا ہے ؟

فقیر (سارا قصہ دہرا کر) بابا اس وقت اس نے انکار کر دیا۔

عیسائی۔ آج تمھارے یہاں کون سا دن ہے ؟

فقیر۔ روز عاشور۔

عیسائی۔ کیا تمھارے یہاں اس دن کی خیرات برکت خیز ہوتی ہے ؟

فقیر۔ بابا! یوں تو ایک دے ستر پائے لیکن آج کی خیرات کیا کہنا حسین کے نام کی جنہوں نے خدا کی راہ میں اس کے دین کی (ان الدین عند اللہ الاسلام) بقا کے لئے اپنا گھر بار اولاد سب ہی سب ایک دوپہر میں نثار کر دی اور تین دن کے بھوکے پیاسے اللہ کی خوشنودی کیلئے شہید ہو گئے اس کی جزا کو کیا پوچھنا ہے جو کچھ نہ حسین کے صدقہ میں اللہ کے دربار سے مل جائے مگر افسوس اس ظالم قاضی نے پڑھ لکھ کر حسین کے رتبہ کو نہ سمجھا اور اسے اس کی بھی شرم نہ آئی کہ آخر اس غریب کے بچوں کو تمام دن کی بھوک پیاس میں امید وار بنا کر کیوں دھوکا دے رہا ہوں۔ یہ بھی تو اللہ کے بندے ہیں ممکن ہے کہ مرنے کے بعد پیدا کرنے والے کے سامنے اس دھوکا دہی کا جواب دینا پڑے۔ خیر میرے بچے حسین کے نام پر بھوکے سو رہیں گے لیکن سچ ہے کہ خدا کا خوف اس کے اچھے بندوں ہی کو ہوتا ہے۔

عیسائی۔ اچھا تم کیا چاہتے ہو ؟

فقیر۔ تھوڑا گوشت روٹی اور دو درہم۔

عیسائی۔ بس ؟

فقیر۔ بس۔

عیسائی (بیس درہم اور اس کی خواہش سے کہیں زیادہ روٹی گوشت دیکر)

لو! اور اتنا ہی روز حسین کے نام پر آکر میرے یہاں سے بے تکلف لے جایا کرنا۔

فقیر۔ خوش و بشاش ہو کر دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے) یا اللہ! جس نے مجھے اس حال میں شکر کرنے کا موقع دیا جس نے مجھے و میرے بچوں کو خوش کیا۔ جس نے تیرے حبیب کے پیارے نواسے کی بھوک و پیاس کے صدقہ و واسطے میں میرے بچوں کی بھوک و پیاس کے صدقہ میں جلد خوش کر دے۔ یا اللہ میں اسوقت جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس وقار و عظمت کیطرف سے اس کی تسکین اور اس کے اعتقاد میں پختگی آنے کیلئے کہہ رہا ہوں جو تو نے حسین کو عطا کر رکھا ہے جسے قاضی نے مسلمان ہو کر نہیں سمجھا۔

۴

صبح کا وقت تھا۔ آفتاب کی کرنیں پہاڑ کی چوٹیوں سے کھیل رہی تھیں ہمارا دریادل عیسائی بڑے ہی ہین کر ہوا خوری کیلئے جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ قاضی صاحب نہایت تیز رفتاری کے ساتھ آتے ہوئے دکھائی دے۔ عیسائی نے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور کرسی کی طرف اشارہ کر کے خود ہی بیٹھ گیا۔

قاضی۔ میں ایک خاص غرض سے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔

عیسائی۔ ارشاد

قاضی۔ یہ بتائیے کہ کل آپنے اس فقیر کے ساتھ کون سا عمل خیر کیا ہے؟

عیسائی۔ کس فقیر کے ساتھ؟

قاضی۔ جسے میں نے باوجود کئی وعدوں کے واپس کر دیا تھا۔

عیسائی۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آپ سے میں کہہ سکوں

قاضی۔ کیوں؟

عیسائی۔ اس لئے کہ شیخی و نمود مجھے مرغوب نہیں میں اسے سخت ذلیل رکیک سمجھتا ہوں۔

قاضی۔ اس میں سبکی و ذلت کی کونسی بات ہے؟

عیسائی۔ ممکن ہے آپ کے نزدیک نہ ہو۔

قاضی۔ (بات کاٹ کر) اور آپ کے نزدیک ہے؟

عیسائی۔ بیشک!

قاضی۔ نہیں اگر آپ مہربانی کر کے بتا دیں تو بہتر ہے؟

عیسائی۔ کیوں؟ آپ کو اس سے کیا مطلب؟

قاضی۔ مطلب بعد میں عرض کروں گا۔

عیسائی۔ نہیں میرا ضمیر اس وقت کسی صورت سے اسکے اظہار کی اجازت۔ نہیں دیتا مگر ممکن ہے کہ آپ کی غرض معلوم ہونے کے بعد بتانے کے لئے رضامند ہو جائے۔

قاضی۔ میرے اظہار مدعا کے بغیر آپ ظاہر نہیں کر سکتے

عیسائی۔ نہیں ہرگز نہیں!

قاضی۔ اس کے بعد آپ بتا دیں گے؟

عیسائی۔ ممکن ہے۔

قاضی۔ رات میں نے خواب میں ایک ہاتف غیبی کی آواز سنی جو مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اے قاضی سر اٹھا میں نے سر جو بلند کیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ دو عالیشان قصر سامنے ہیں جن کی ایک ایک اینٹ سونے کی ایک ایک چاندی کی ہے میں نے چیخ کر کہا یا اللہ یہ دونوں بیش بہا قصر کس خوش نصیب کیلئے ہیں جواب میں آواز آئی کہ اگر آج تو اس فقیر کی حاجت پوری کر دیتا تو دونوں قصر تجھ ہی کو ملتے لیکن تو نے اس کو محروم کر دیا اب یہ دونوں قصر فلاں عیسائی کو دیدیئے گئے ہیں۔ بھائی اسوقت سے مجھے نیند نہیں آئی میں اپنی کمبختی و بدبختی پر برابر روتا رہا۔

عیسائی۔ تو اب اس میں بتانے کی کیا بات باقی رہی ؟

قاضی۔ کچھ نہیں۔

عیسائی۔ پھر ؟

قاضی۔ پھر کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ اس احسان کو میرے ہاتھ بیچدیں۔

عیسائی۔ آپ کیا دیں گے ؟

قاضی۔ ایک لاکھ درہم۔

عیسائی۔ بس !

قاضی۔ اور جو کچھ آپ چاہیں لے لیں اور اس کا اجر مجھے بخش دیں۔

عیسائی۔ سبحان اللہ! اگر آپ دنیا بھر کا سونا مجھے دیدیں جب بھی میں ایسا نہیں کر سکتا۔

قاضی۔ کیوں ؟

عیسائی۔ اس لئے کہ آقا حسین نے اس احسان کی وجہ سے اپنے بچوں کے تصدق میں مجھے اپنی معرفت بخشی اور خدائے عزاسمہ نے ان کی معرفت کی وجہ سے مجھ پر رحم کیا۔ بہشت میں رہنے کو ایسے ایسے قصر مرحمت فرمائے اور اس کی شہادت بھی مجھے تمہارے ذریعہ سے ملی اب میں اس فانی دنیا کے لئے ان کے دامن کو چھوڑ دوں اور بجائے بہشت کے رہنے کے دوزخ میں جلنا قبول کر لوں۔ یہ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ اب تو اس گنہگار عیسائی کے ہاتھوں میں حسین علیہ السلام کا پاک دامن قیامت تک رہیگا "صلوات بر محمد و آل محمدؐ"

علہ نقل واقعہ کتاب بحانی الادب سے لیا گیا۔

حضرت ابو الفضل العباس عزادار امام مظلوم کی نجات کے مدارج نظارۂ خود دیکھئے اور کی مدد کیجئے

عباسؑ

تیرے علم کے نیچے تھے انصار معرفت

از عالی جناب سید محمد باقر صاحب نقوی کھجوی مولوی فاضل و فاضل ادب

عباس تو ہے گوہر شہوار معرفت ‏ تابندہ تیرے رخ پہ ہیں انوار معرفت

تجھ سے صدا بہار ہے ایمان کا چمن ‏ تجھ سے ہرا بھرا ہے یہ گلزار معرفت

تیرا ہر ایک فعل وفا پر ہے مشتمل ‏ تیرا ہر ایک قول گہربار معرفت

تیرے سبب سے مذہب امام ہدیٰ ہے قوی ‏ اے ناصر حسین مددگار معرفت

کچھ ایسا سرفروشی کو تو نے دیا رواج ‏ اب تک وہی ہے رونق بازار معرفت

مشک سکینہ دوش پہ رکھ کر علم کیسا تھا ‏ دکھلا دیا اٹھاتے ہیں یوں بار معرفت

ہر ذرہ تیری خاک کا مرنے کے بعد بھی ‏ سمجھا رہا ہے دہر کو اسرار معرفت

بھرے گئے جواہر ایماں سے جھولیاں ‏ آکر ترے حضور میں نادار معرفت

دور فلک میں ہے یہی اسلام کی صدا ‏ مرکز حسین اور تو پرکار معرفت

نیزے پہ سر حسین کا فتراک میں ترا ‏ پھر کیوں کہیں نہ ہم تجھے سردار معرفت

ہم کو پتہ تری حد عرفاں کا یوں ملا

تیرے علم کے نیچے تھے انصار معرفت

کیا عباسؑ امام ہوتے

(۶)

از جناب مولانا مولوی سید غالب حسین صاحب واصف

(عشری ضلع سارن)

ورثہ میں علم حیدر و صفدر کا لیا ‖ لی مشک کہ پاٹ حوض کوثر کا لیا
عباسؑ نے شبیر کو بھائی نہ کہا ‖ حصہ تو شہادت میں برابر کا لیا

(۲)

دو نقش تھے دونوں بازوؤں کے اوپر ‖ سمجھے کوئی کیونکر سے رموز داور
جب مشک و علم لیکے چلے تب کھلا ‖ اک طوبیٰ تھا دوسرے پر کوثر

(۳)

حیدر سے ہی عباسؑ کی صولت ملتی ‖ جرأت ملتی ہے اور شجاعت ملتی
ہوتا جو میسر کہیں شیر زہرا ‖ حسنینؑ کے بعد انھیں امامت ملتی

(۴)

لب تشنہ گرسنہ اور اسیر یہ دلیر ‖ اک فو[illegible] میں [illegible] و ساز بردست تھا زیر
ہے فاتح خیبر کا لہو رگ رگ میں ‖ یہ سچ ہے مثل شیر کا بچہ بھی ہے شیر

علمداری کی اہمیت

از جناب حکیم سید مجاور حسین صاحب رضوی مدرس گورنمنٹ حسین آباد
ہائی اسکول لکھنؤ

سال گزشتہ میں نے نظارہ کے ابوالفضل العباسؑ نمبر میں علمداری کی اہمیت پر مضمون لکھا تھا اور اس مضمون میں اس امر کو واضح کیا تھا کہ ہر عہد میں علمدار فوج اس شخص کو بنایا گیا جس میں چند اوصاف نمایاں طریقہ پر موجود ملے۔ اگرچہ موجودہ ایجادات نے جنگ کے طریقوں کو بدل دیا ہے اور جنگ بجائے دست بدست کے اب ہوائی ہوتی ہے۔ مگر شرائط علمداری میں سے چند باتیں ایسی ہیں جو آج بھی علمدار ہونے کے لئے لازمی ہیں۔ ابتدائے عہد اسلام سے عہد رسول تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ہر ایک لڑائی میں خاص خصوصیات کی بنا پر ہی علمدار فوج کو منتخب کیا گیا۔ میں نے سال گزشتہ تفصیلاً اس کے بارہ میں اظہار خیال کیا تھا۔ مندرجہ چند سطور میں باقی شرائط علمداری کا بیان کر دینا مقصود ہے۔

(۱) میں نے بتایا تھا کہ علمدار فوج کے لئے چھ شرطیں ایسی ہیں جن کا علمدار فوج میں موجود ہونا نہایت ضروری ہے (۱) شجاع ترین افراد لشکر ہو (۲) وجیہ ہو۔ (۳) شریف ترین خاندان ہو (۴) فنون جنگ میں ماہر ترین فرد لشکر ہو (۵) مطیع و خیر خواہ بادشاہ ہو (۶) اس کی شجاعت اور فضائل و اوصاف ذاتی کا اقرار دشمن کو بھی ہو۔ حضرت عباس ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام کی شرافت خاندانی اور وجاہت اور شجاعت کا تذکرہ مجملاً میں مضمون سال گزشتہ میں کر چکا ہوں۔ اس مضمون میں باقی اوصاف علمداری کو بیان کراؤں گا۔

فنون جنگ مورخین بالاتفاق یک زبان ہیں کہ روز عاشورہ ۳۰ ہزار فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے اور پانچ ہزار بہادر سپاہیوں کے لشکر کو جو فرات کے پہرہ دار تھے ہٹا کر داخل نہر فرات ہونا صرف حضرت عباس کا ہی کام تھا۔

حضرت عباسؑ نے بارہا اعدائے دین کے مقابلہ کی امام سے اجازت چاہی مگر امام نے ہر بار حضرت عباسؑ کو روک دیا اور یہ کہکر اپنے قوت بازو کو سمجھا دیا کہ بھائی تم میرے لشکر کے علمدار ہو تمھارا ابھی جنگ کی اجازت مانگنا قبل از وقت ہے۔ حضرت عباسؑ ہر بار تعمیل ارشاد میں خاموش ہو گئے۔ لیکن جب کم سپاہ امام کی سپاہ ایک ایک کرکے

ختم ہو چکی کہ حضور غلام کو بھی اجازت جنگ عطا فرمائی جائے
غلام سے بچوں کی تشنگی اور ان کے العطش العطش کی فریادیں
نہیں سنی جاتیں۔ اگرچہ حضرت عباسؑ اس مرتبہ اپنے
مقصد میں کامیاب ہو گئے مگر امام مظلوم نے یہ شرط لگادی
کہ "بھائی پہلے تم بچوں کے لیے پانی لے آؤ"

حضرت عباسؑ یہ سمجھتے تھے کہ بچوں کی پیاس بجھانے
اور پانی لانے کے عنوان سے ضرور حسینؑ اذن جہاد عطا فرمائیں
گے اور مجھکو منافقین و کفار کے قتل کا موقع مل جائے گا مگر
امام حسینؑ نے اس شیر کو پھر صرف پانی لانے کی اجازت اور
مشک دے کر پابند کر دیا۔ اس مجسمہ طاعت و وفاداری
نے کبھی اپنے آقا کے الفاظ پر تکرار نہ کی تھی۔ لہذا دل کی
تمام امنگوں اور ولولوں کو دبا کر صرف پانی لانے کا ارادہ
کرتے ہوئے دفاعی تدابیر پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک
شجاع ترین شخص کے لئے میدان جنگ میں پہونچ کر یہ
آسان ہوتا ہے کہ وہ اپنے فنون سپاہ گری کے جوش
میں جنگجویانہ حملہ کر دے مگر حضرت عباسؑ نے اوراق تاریخ
عالم پر یہ امر ثابت کر دیا کہ جنگ کی طرف پہلا قدم اٹھانے
کے بعد آخر دم تک مدافعانہ جنگ اسی طرح کی جاتی ہے۔

ناظرین مضمون حضرت عباسؑ کی مجبوریوں کو ملاحظہ
فرمائیں۔

تین روز کی بھوک اور پیاس، اعزا و اقربا کا آنکھوں
کے سامنے قتل ہو جانا اور ان کی لاشوں کا گرم زمین پر پڑا
ہوا ہونا۔ ایک عزیز ترین بھائی اور بھتیجے کا تیس ہزار کے
مجمع میں گھرا ہوا ہونا۔ رسولؐ کی بیٹیوں بہوؤں اپنے خاندان
کی عورتوں اور بچوں کا نرغہ اعدا میں فریادیں کرنا اس پر پانی
کا نہ ملنا اس کے علاوہ دست راست میں علم فوج کا لشکر۔
بازوئے چپ پر مشک سکینہ کا دباؤ اور تلوار و نیزہ سے کام
لینا ڈھال کا استعمال کرنا۔ گھوڑے کو ٹا[illegible]ر رکھ رکھاؤ۔

یہ تمام مجبوریاں تو قلب و جسم کو معطل بنانے کے لئے کافی ہی
تھیں ان پر حکم امام کی تعمیل کہ جنگ مدافعانہ ہو اور پانی خیام
تک پہونچایا جائے یہ موخر الذکر دو پابندیاں حضرت عباسؑ
کے روح پر بار ڈال رہی تھیں۔ ان پابندیوں کی موجودگی
میں آیا دنیا کا کوئی بہادر بھی تیس ہزار دشمنوں میں جا کر اس طرح
فنون جنگ دکھا سکتا ہے؟ یہ سوال ایک ایسا سوال ہے
کہ تاریخ عالم ایسی نظیر اور جواب پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بہر حال شیر خدا کا شیر اسی صورت سے دشمنوں کی صفوں
کو چیرتا ہوا اور اشی بہادروں کو تلوار کے گھاٹ اتارتا ہوا
فرات کے گھاٹ پر پہونچ ہی گیا۔ تاریخیں شاہد ہیں کہ حضرت
عباسؑ نے جب اشی بہادروں کو قتل کیا اور پانچ ہزار
نگہبان فرات کو مار بھگایا اور تا دیر فرات میں مشک سکینہؑ
کو جو خشک ہو چکی تھی تر کر کے اس میں پانی بھرا اور پانی پیکر
واپس ہوئے تو اس وقت تک جسم عباسؑ پر کوئی زخم
نہیں آیا تھا۔ یہ تھی بہترین مہارت فنون جنگ کی۔

امام حسین علیہ السلام ایک بلندی پر کھڑے ہوئے حضرت
عباسؑ کے علم کے پھریرے کو جانب فرات جاتے ہوئے
دیکھ رہے تھے اور اپنے بھائی اور قوت بازو کی مدافعانہ جنگ
اور فنون جنگ کی دل میں تعریف کر رہے تھے اور خوش
ہو رہے تھے۔ بچے در خیام سے پھریرے کو اڑتا ہوا دیکھکر

خوش ہو رہے ہوں گے کہ اب تین روز کی پیاس بجھے گی اور سقائے حرم پانی لائیں گے۔

حضرت عباسؑ فرات سے باہر آئے نشیب فرات سے بلندی پر پہونچے۔ علم کا پھریرا جو امام حسینؑ اور اہل حرم رسولؐ کی نظروں وامیدوں کا مرکز بنا ہوا تھا ہوا میں اُڑتا ہوا نظر آیا۔ اگرچہ مصائب نے اہل حرم کے دلوں کو پاش پاش کر دیا تھا مگر امید کی ایک جھلک پھر نظر آنے لگی۔ دعائیں ہونے لگیں امام حسین علیہ السلام نے بھی حسرت بھری نظروں سے اس اڑتے ہوئے پھریرے کو دیکھا۔

بہرحال حضرت عباسؑ دشمنوں کو ہٹاتے ہوئے خیام کی طرف بڑھے۔ اس موقع پر یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت عباسؑ پابند تھے۔ پانی کی بھری ہوئی مشک کاندھے پر تھی و نیز دشمنوں کی کثرت بھی تھی پھر بھی پانچ ہزار نگہبان فرات میں سے ایک کی بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ مقابلہ میں سامنے آکر اس اکیلے مدافعانہ جنگ کرنے والے مجاہد کا رستہ ہی روک لے۔ بلکہ تاریخوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کھجور کے درخت کے قریب سے جب حضرت عباسؑ گزر رہے تھے تو نوفل بن ازرق یا زید بن ورقا نے کمین سے نکل کر تلوار کا ہاتھ پر وار کیا۔ یہ وار اتنا شدید تھا کہ حضرت عباسؑ کا ہاتھ زمین پر کٹ کر گر گیا۔ مگر دست راست کے کٹ جانے کے بعد بھی شان عباس و شجاعت عباس دیکھنے کے لائق تھی حضرت عباسؑ کے پاس سب سے زیادہ محترم دو چیزیں تھیں ایک علم فوج حسینی اور دوسرے مشک سکینہ ان مشکلات کی صورت میں حکم امامؑ۔ آپ نے ہاتھ کٹ جانے پر مشک کا تسمہ دانتوں سے پکڑ لیا اور علم رسولؐ کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور گھوڑے کو مہمیز کیا۔ بڑھے اور ایک مرتبہ تیز بڑھے حسینؑ نے علم کے جھکنے پر دل کو سنبھالا مگر پھر جب علم کے پھریرے کو ہوا میں اُڑتے ہوئے دیکھا تو شکر خالق کیا حضرت عباسؑ ان دونوں محترم چیزوں کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرتے ہوئے بڑھے جا رہے تھے مگر تیس ہزار کا کوئی بہادر پھر بھی اس یک دست مجاہد کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور راہ روی میں اس شیر کو نہیں ٹوک سکتا تھا۔ اس بہادر ترین انسان کے اطمینان قلب کو دیکھنا ہو تو دیکھو کہ حضرت عباسؑ اس حالت میں بھی بہترین اشعار تصنیف فرما کر اس طرح پڑھ رہے تھے۔

واللہ ان قطعتمو الیمینی
انی احامی ابداً عن دینی

وعن امام الصادق الیقینی
نجل النبی الطاھر الامین

نبیٌ صدق جاءنا بالدین
مصدقاً بالواحد الامین

(ترجمہ) خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا دست راست قطع کر دیا ہے مگر پھر بھی میں دین کی حمایت کرتا ہی رہوں گا۔

اسی اثنا میں پھر ایک ملعون حکیم بن طفیل نے دست چپ پر وار کیا اور یہ ہاتھ بھی کٹ کر زمین پر گرا۔ اب اس مجاہد راہ خدا کو یقین ہو گیا کہ علمداری جس کا تعلق صرف دونوں ہاتھوں کی موجودگی سے ہے نا ممکن ہے اور حکم امام کی تعمیل کا تعلق روح سے ہے لہذا مشک سکینہ کی حفاظت اس وقت

نک کی جائے جب تک روح جسم میں باقی رہے۔ آپ نے اسی خیال سے مشک سکینہ کے تسمہ کو دانتوں سے پکڑا اور اپنے جسم کو مشک پر بجائے سپر کے جھکا دیا اور خیام اہل حرم کی طرف کو بڑھے اور اس حالت یاس میں بھی سکون قلب کا یہ حال تھا کہ آپ اسطرح اشعار نظم فرما رہے تھے اور معرفت خدا اور رسولؐ و ائمہ کا اظہار فرما رہے تھے۔

یا نفس لا تخشی من الکفار

والبشری بو حمتہ الجبار

مع النبی السید المختار

مع جملۃ السادات والاطہار

قد قطعوا ببغیہم یساری

فاصلہم یا رب حر النار

(ترجمہ) اے نفس کفار سے مت ڈر۔ اے نفس تو خدا کی رحمت کے حصول پر خوش رہ۔ اے نفس تجھکو یہی شرف کافی ہے کہ تجھکو نبی۔ سید المختار اور جملہ سادات اطہار کے رفاقت ملے گی۔ میرا بایاں ہاتھ سرکشوں نے کاٹ دیا۔ اے خدا ان کو جہنم واصل کر۔

فنونِ جنگ میں اعلیٰ مہارت کی ایک مثال طاویہ کا واقعہ

جب حضرت عباسؑ صفوں کو چیرتے ہوئے اور پانچ نگہبان فرات کو متفرق کرکے نہر فرات میں گھوڑے کو ڈال چکے ہو وقت فوج دشمن میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عمر سعد نے فوج کو للکارا کہ عباسؑ کو گھیر لو۔ پانی لے کر جانے نہ دینا۔ دشمنوں نے یک دم حملہ کر دیا۔ حضرت عباسؑ مشک کو تر کرکے پانی بھر رہے تھے جب آپ نے دیکھا کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا ہے آپ نے مدافعانہ جنگ شروع کی اور اس حملہ میں تلو اشخاص کو واصل جہنم کیا۔ پھر گھوڑے کو داخل فرات کیا اور مشک کو پانی سے بھرا اور جانب خیام حرم روانہ ہوئے اس موقع پر عالم یہ تھا کہ دشمن کی فوج خوفزدہ ہو کر دور دور بھاگ چکی تھی اور حضرت عباسؑ جوش شجاعت میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

انا الذی اعرف عند الزمجرۃ

یا بن علی المسمی حیدرہ

فاثبتوا الیوم لنا یا کفرۃ

لعترۃ الاحمد آل البقرہ

(ترجمہ) میں وہی ہوں کہ سخت جنگوں میں پہچانا جاتا ہوں میں فرزند علیؑ ہوں وہ علیؑ جن کا لقب حیدر ہے۔ اے کفار! آل احمد و آل بقرہ کے مقابلہ کی کچھ تو تاب لاؤ۔ اسی دوران میں ایک دشمن جس کو اپنی بہادری پر بڑا غرور تھا آگے بڑھا جب اس نے حضرت عباسؑ کے شجاعانہ تیور دیکھے اور جب بڑے بڑے بہادروں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو فوج ابن سعد کو مخاطب کرکے کہنے لگا کہ اے بزدلو! اگر تم ایک ایک مٹھی خاک بھی ڈالو گے تو اس جوان کو خاک میں چھپا دو گے مگر معلوم ہوتا ہے تم سب بے شرم و بے حیا اور بزدل ہو۔ جاؤ تم سب ہٹ جاؤ میں اکیلا ہی عباسؑ کا سر کاٹ کر لاتا ہوں۔ یہ کہکر آگے بڑھا۔ اس شخص کا نام مارد ابن صدیف تھا۔ مارد بن صدیف رعد کی طرح گرجتا ہوا حضرت عباسؑ کے

مقابل ہوا اور آتے ہی اس نے نیزہ کا وار اس طرح کیا کہ گویا حضرت عباسؑ کا قتل کر دینا اس کے واسطے سہل تھا مگر وار کرتے ہی حضرت عباسؑ نے اس کے نیزہ کو پکڑ کر وہ جھٹکا دیا کہ قریب تھا کہ وہ گھوڑے سے زمین پر گر کر واصل جہنم ہو۔ مگر سنبھلا اور فوراً نیزہ کو ہاتھ سے چھوڑ کر تلوار نکالی۔ حضرت عباسؑ نے موقع پا کر اپنے نیزہ کا وار اس گھوڑے پر کیا کہ گھوڑا زمین پر گر کر مر گیا اور مارد پیدل ہو گیا اب مارد کو حضرت عباسؑ کے مقابل ہونا سخت دشوار تھا

اس عالم مجبوری میں بھاگا اور چلایا کہ خدارا میری مدد کرو اور مجھکو گھوڑا پہونچا دو۔ ایک غلام ایک بہت عمدہ قد آور گھوڑا جس کا نام طاویہ تھا لے کر فوج سے نکلا۔ حضرت عباسؑ نے جونہی یہ دیکھا فوراً اس غلام پر اس طرح حملہ آور ہوئے جس طرح شاہین شکار پر جھپٹتا ہے اور چشم زدن میں نیزہ کے ایک وار میں غلام کو واصل جہنم کیا اور اس سے گھوڑا لے کر خود سوار ہو گئے۔ یہ گھوڑا چونکہ دانہ پانی سے سیر تھا بایں وجہ تازہ دم تھا۔ جب مارد نے یہ دیکھا کہ اب امید حیات باقی نہیں رہی تو اپنے فوج کو حمایت کے لئے پکارا۔ اس کی آواز پر شمر، سنان ابن انس۔ خولی ابن یزید اصبحی و احمد ابن مالک و بشر ابن سماعہ فوج کے بڑھے۔ اور سخت جنگ ہوئی اس حملے میں جناب حضرت عباسؑ نے اسی بہادران فوج دشمن کو قتل کیا۔

حضرت عباسؑ نے اس گھوڑے کو پہچان لیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے جب بادشاہ روم کو قتل کیا تھا تو اس کے گھوڑے کو لے لیا تھا اور پھر اسی گھوڑے کو امام حسنؑ کو عطا فرما دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عباسؑ کی نظر اسی گھوڑے پر پڑی تو پہچان لیا اور یہ نہ دیکھ سکے کہ علیؑ کا گھوڑا دشمن کے قبضہ میں ہو لہذا چشم زدن میں چھین کر خود سوار ہو گئے اور دکھا دیا کہ علیؑ کی شجاعت کا وارث میدان جنگ میں صرف میں ہی کر سکتا ہوں۔

چوتھی شرط۔ علمداری کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ دوست اور دشمن کو اس کے فضائل کا اعتراف ہو اور ہر ایک شخص علمدار کے رعب وجلال کو تسلیم کر چکا ہو۔ یہ وصف بھی حضرت عباسؑ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ میں پہلے دوستوں کے قلبی تاثرات کو بیان کرتا ہوں۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج اگرچہ بہت ہی کم تعداد میں تھی مگر حضرت امام حسینؑ نے بفراست امامت عرب کے بہترین بہادروں اور پاکباز اشخاص کو منتخب کر لیا تھا۔ ہر ایک مجاہد خواہ بوڑھا ہو یا جوان۔ نوجوان ہو یا بچہ موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتا تھا اور امام مظلوم پر اپنی جان کے نثار کرنے میں سبقت کا بدل متمنی تھا۔ باوجود اس شجاعت و دلیری کے امام حسین علیہ السلام کی فوج کا ہر ایک مجاہد حضرت عباس علیہ السلام کو شجاعت اور جان نثاری میں اپنے سے افضل سمجھتا تھا اس میرے دعوے کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے ملے گا۔

روز عاشورہ جب جاں نثاران حسینؑ اپنی جانیں شمع امامت پر نثار کر رہے تھے اس وقت زہیر ابن قین میدان جنگ میں اپنی جان دینے سے قبل عبداللہ ابن جعفر ابن عقیل کے پاس آئے اور عرض کیا کہ بھائی ذرا اپنا علم مجھکو دیدو۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ آیا زہیر تم نے مجھ میں فدیہ حسینؑ ہونے

میں کچھ قصور پایا ہے کہ مجھ سے میرا علم مانگتے ہو؟

زہیر نے جواب دیا کہ نہیں بھائی ایسا نہیں ہے بلکہ مجھ کو علم کی ضرورت ہے۔ زہیر علم کو لئے ہوئے حضرت عباسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عباسؑ کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ فرزند امیر المومنینؑ مجھکو آپ سے ایک واقعہ بیان کرنا ہے یہ واقعہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔

حضرت عباسؑ نے فرمایا اچھا کہو۔

زہیر قین نے عرض کیا اے ابوالفضل جبکہ حضرت علی علیہ السلام نے آپ کی مادر گرامی سے عقد کرنا چاہا تو اپنے بھائی حضرت عقیل سے جو انساب عرب کے ماہر ترین شخص تھے فرمایا کہ بھائی میری شادی ایسی عورت سے کرادو جو بہادر ترین خاندان سے ہو تاکہ اس کے بطن سے میرا ایک فرزند پیدا ہو جو شجاعت و قوت میں یگانہ روزگار ہو اور میرے حسینؑ کی میدان کربلا میں حمایت و غمخواری کرے۔

اے ابوالفضل آپ کو آپ کے پدر بزرگوار نے آج ہی کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ آپ آج اپنے بھائی حسینؑ اور اپنی بہنوں کی حمایت میں کوتاہی نہ کیجئے گا۔

زہیر قین ابھی ان الفاظ کو پورے طریقہ سے ختم نہیں کرنے پائے تھے کہ حضرت عباسؑ کے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ شیر خدا کے شیر نے جوش شجاعت میں ایک ایسی انگڑائی لی کہ گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ گئیں اور فرمایا کہ اے زہیر تم آج کے روز مجھکو شجاعت دلاتے ہو۔ خدا کی قسم آج میں وہ شجاعت دکھاؤں گا کہ اہل دنیا نے ایسی شجاعت نہ دیکھی ہو گی یہ فرما کر گھوڑے کو مہمیز کیا اور بدرگاہ رب العزت ہاتھ اٹھا کر عرض کی۔ الٰہی و سیدی! آج میں اپنے وعدہ کو وفا کرنا چاہتا ہوں! یہ فرما کر گھوڑے کو پے کردیا اور پا پیادہ شمشیر برہنہ اور مشک لئے ہوئے روانہ میدان جنگ ہوئے۔

روایت اس کے بعد خاموش ہے مگر اتنا لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام سے کچھ بات چیت ہوئی۔ اسی روایت سے اتنا سراغ ضرور ملتا ہے کہ زہیر جیسے جاں نثار اور بہادر کو یہ یقین تھا کہ اگر حضرت عباسؑ میدان جنگ میں پہونچ جائیں گے تو یقیناً حسینؑ اور حسینؑ کے بچے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہیں گے اور تنہا عباسؑ ہی تیس ہزار کو مار بھگا دینے کو کافی ہوں گے۔

مگر حضرت امام حسین علیہ السلام تو باوجود قدرت فتح قدرت کو اپنا صبر ہی دکھانا چاہتے تھے آپ کو تو صرف محض شہادت کو سج کر پیش خالق کردینا ہی تھا اور بس۔

اسی روایت سے یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ جب حضرت عباسؑ نے مارد پہلوان سے طاویہ نامی گھوڑے کو چھینا ہے تو آپ کو گھوڑے کے چھین لینے کی ضرورت اسی وجہ سے لاحق ہوئی ہو گی کہ وہ سوار تھا اور آپ پیادہ اور غالباً اسی موقع پر مارد بن صیف سے مقابلہ بھی ہوا ہو گا۔

اب میں حضرت عباسؑ علمدار کی علمداری اور شجاعت کا رعب ان کے دشمنوں پر جو کچھ تھا اس کو دکھانا چاہتا ہوں۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ عمر ابن سعد اور اس کے نامی بہادر حضرت عباسؑ سے خوفزدہ تھے اور یہ چاہتے تھے کہ کسی کبھی

طرح حضرت عباسؑ کو حسینؑ سے علیحدہ کر دیا جائے بہت کچھ
تدابیر کیں مگر آخر میں یہ تدبیر سوجھی کہ شمر کو ایسے وقت
حضرت عباسؑ کے پاس بھیجا جائے جبکہ انصار حسینؑ سب
شہید ہو چکے ہوں اور صرف چند حسینؑ کے چند عزیز
باقی رہ جائیں تو شائد ایسی مجبوری کی حالت میں اپنی اور
اپنے حقیقی بھائیوں کی جانوں کے بچانے کی خاطر عباسؑ
حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ گویا عمر ابن سعد اور شمر وغیرہ
کو صرف حضرت عباسؑ کی شجاعت کا خوف تھا جب ہی
تو تمام انصار کے شہید ہو جانے کے بعد بھی یہ کوشش
کرنا چاہی کہ عباسؑ حسینؑ سے علیحدہ ہو جائیں۔

جب اصحاب و انصار حسین علیہ السلام شہید ہو چکے
اور صرف بنی ہاشم رہ گئے تو عمر ابن سعد نے شمر ملعون
کو بھیجا کہ تو اپنے خاندانی رشتہ سے عباسؑ کو اپنا
بھانجہ بتا کر آواز دے اور جب وہ سامنے آئیں تو
ان کو اور ان کے حقیقی بھائیوں کی امان کا وعدہ کر۔
اس تدبیر سے ممکن ہے کہ عباسؑ کو حسینؑ سے علیحدہ
کر سکے اور ہمارا کام آسان ہو جائے۔

شمر صفہائے لشکر سے نکل کر باہر آیا اور بآواز
بلند کہا۔ "این بنو اختنا" کہاں ہیں میرے بھانجے
جب اس کی نظر حضرت عباسؑ اور جعفر و عبداللہ و
عثمان ابنائے علیؑ پر پڑی تو کہنے لگا۔

"انتم یا بنی اختی آمنون" اے میرے بھانجو تم کو آج
امان ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عباسؑ نے فرمایا۔

"تبت یدک و لعنک اللہ و منی امانک و تبس ما جئتنا به
منی امانک یا عدو اللہ۔ اتامرنا ان نترک اخانا و
سیدنا الحسین و ندخل فی طاعۃ اللعناء و اولاد اللعناء"

خدا تجھکو تجھ پر اور تیری اس امان پر خدا کی لعنت
ہو۔ اے دشمن خدا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے بھائی
اور سردار حضرت امام حسینؑ کو چھوڑ دیں اور ملاعین
اور اولاد ملاعین کی اطاعت اختیار کر لیں۔"

حضرت عباس علیہ السلام کا جواب معمولی جواب
نہ تھا۔ ان الفاظ کے سننے کے بعد شمر لشکر والوں کو منہ
دکھانے کے قابل نہ رہا ہوگا اور منہ چھپا کر بھاگا ہوگا۔

بہر حال اس روایت سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ
دشمن کی فوج کے کارآزمودہ سپہ سالاروں پر حضرت عباسؑ
کا رعب چھایا ہوا تھا اور اسی وجہ سے دھوکا دے کر
وہ حضرت عباسؑ کو حسینؑ سے علیحدہ کر لینا چاہتے تھے
درحقیقت شمر اور عمر ابن سعد نے شہادت اصحاب
حسینؑ کے بعد حضرت عباسؑ کو دعوت امان دینے کی
تدبیر بہترین سوجھی تھی۔ مگر وہ ملاعین یہ نہیں جانتے تھے
کہ عباسؑ وفا کا مجسمہ، ایثار کی تصویر، جاں نثاری
کا مرقع اور حسینؑ کا بھائی اور علیؑ کا بیٹا تھا۔ پھر بھلا
عباسؑ پر یہ منتر کیوں کر چل سکتا تھا۔

وفاداری

یہ مختصر چند واقعات لکھ کر اب میں یہ
چاہتا ہوں کہ علمداری کی آخری شرط
کو بھی واقعات کی روشنی میں پیش کروں۔ یہ آخری وصف
خیر خواہی بادشاہ ہے۔ حضرت عباسؑ اس آخری وصف

میں بھی بس اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ یہی تو وجہ ہے دنیا کی ایک
باتمیز قوم جب وفا کا نام لیتی ہے تو اس کی نظروں کے سامنے
حضرت عباسؑ کی تصویر پھر جاتی ہے۔ وفا ایک غیرمادی شئے
ہے اور صرف اسم صفت ہے لیکن وفا نے اپنے کو دنیا کی
نظروں کے سامنے ظاہر ہونے کے لئے یا اپنے صحیح مفہوم و
معنی کو بتانے کے لئے پیکر عباسؑ کو اختیار کر لیا تھا۔
تمام اسمائے مبارکہ الٰہیہ کے خواص و اثرات ہیں۔
اسی طرح رسولؐ و اولاد رسولؐ کے ناموں میں برکات و
خواص پائے جاتے ہیں۔ رسولؐ و آل رسولؐ کے اسماء مبارکہ
مظہر صفاتِ خداوندی ہیں اور حامل اثرات ہیں۔ میں اس
موقع پر یہ نہیں چاہتا کہ اپنے کلام کو طول دوں لہذا
مختصراً عام فہم ایک مثال کافی سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ دوست
دشمن کی زبان پر ہے۔ شعر

جب نام علیؑ منھ سے نکل جاتا ہے
گرتا ہوا انسان سنبھل جاتا ہے

مسلمان تو مسلمان کافر بھی جب اکھاڑے میں اترتے
ہیں تو علیؑ کا نام لے کر اپنے مقابل کے مقابلے میں
جاتے ہیں اسی طرح حضرت عباسؑ کے نام سے معنی وفا
پیدا ہوتے ہیں، چونکہ حضرت عباسؑ کی وفاداری
ضرب المثل ہے اور ہر صاحب ایمان کی زبان پر وفا
کے نام کے ساتھ عباسؑ اور عباسؑ کے نام کے ساتھ
وفا ہے لہذا وفائے حضرت عباسؑ کے بارے میں چند
سطور لکھ کر مضمون کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔
جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ کلمہ گو میرے نانا
کی امت میں ہونے کے دعویدار۔ میرے خون ہی کے پیاسے
ہیں اور اسی کام کا یہ ملاعین پختہ ارادہ کر چکے ہیں تو
آپ نے اپنے اصحاب انصار اعزا و اقربا کو تاریکی شب میں
جمع کیا۔ شمع روشن تھی اس کو گل کر دیا اور فرمایا کہ
اے میرے جان نثارو! میں بخوشی تم کو اجازت دیتا ہوں
کہ تم اس تاریکی شب میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔
اور لو میں نے شمع کو بھی خاموش کر دیا تاکہ تم میں سے
کسی کو میری آنکھ میں چار ہونے سے حجاب نہ معلوم ہو۔
لو تم لوگ جاؤ اور یہ دشمن چونکہ میرے ہی خون کے
پیاسے ہیں لہذا تم لوگ کیوں اپنی جانیں گنواتے ہو۔
اور اگر تم لوگوں کو یہ خیال ہے کہ میں کسی ناراضگی سے
کہتا ہوں تو ایسا گمان نہ کرو بلکہ تم میں سے ہر شخص میرے
اہل بیت میں سے ایک ایک کو اپنے ہمراہ بھی لیتا جائے
تاکہ ان کی جانیں بھی بچ جائیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام
یہ الفاظ ختم ہی کر چکے تھے کہ حضرت عباس علیہ السلام
مضطربانہ دست بستہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مولا
خدا ہم کو وہ روز بد نہ دکھائے کہ ہم آپ کو اپنے میں
نہ پائیں۔ ہماری جانیں آپ پر نثار ہیں۔"
مورخین یک زبان ہیں کہ اس قول میں ابتدا
حضرت عباسؑ نے کی اس کے بعد تمام مجمع نے حضرت عباسؑ
کے قول کی تائید کی چنانچہ صاحب منتخب التواریخ نے
بحوالہ ارشاد مفید لکھا ہے۔
بدأہم بھذا القول العباس بن علی واتبعتہ الجماعۃ
علیہ فتکلموا بمثلہ ونحوہ۔ یعنی اس قول کی ابتدا حضرت

عباس علیہ السلام نے کی اس کے بعد تمام حاضرین نے اس قول کی تائید کی۔

واقعہ مذکور نے ثابت کر دیا کہ تمام مجمع و رفقائے حضرت امام حسین علیہ السلام میں سے حضرت عباسؑ کو جاں نثاری حسینؑ و وفاداری کا جذبہ زیادہ تھا۔ یہی تو وجہ تھی کہ تمام مجمع انصار و اصحاب و اعزا میں سے حضرت عباس علیہ السلام ہی کے جذبہ وفاداری نے مجبور ہو کر اظہار وفا میں سبقت فرمائی۔

میں سطور بالا میں لکھ چکا ہوں کہ جب حضرت عباس علیہ السلام میدان جنگ میں تشریف لے گئے ہیں اس وقت چند در چند شرائط جنگ اور جسمانی اور روحانی پابندیوں میں گرفتار ہو کر صرف پانی لانے کی غرض سے جانب فرات تشریف لے گئے تھے اور روز عاشورہ بجز حضرت عباسؑ کے کوئی مجاہد بھی (بجز امام حسین علیہ السلام) داخل دریائے فرات نہ ہو سکا تھا اور کسی مجاہد نے بھی دریائے فرات کے گھاٹ پر اپنا قبضہ نہیں کیا تھا۔

حضرت عباسؑ نے اپنے فنون جنگ کی مہارت اور جوش شجاعت کے بل پر اس کٹھن منزل کو سر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عرب کی گرمی، دوپہر کا وقت تین دن کی بھوک اور پیاس، متواتر حملوں کو دفع کرتے ہوئے حملہ پر حملہ کرنا معمولی قوت کا کام نہ تھا۔ حضرت عباسؑ ہی کا یہ کام تھا۔ اس محنت و مشقت کے بعد جب آپ نے فرات میں گھوڑے کو ڈال دیا ہے تو مشک کو پانی میں ڈال کر آپ نے ایک چلو میں پانی بھرا اور اس ٹھنڈے پانی کو تادیر دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ کہتے ہوئے چلو بھر پانی کو پھر دریا میں پھینک دیا کہ عباسؑ! جبکہ حسینؑ اور حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں تو یہ آئین وفا کے خلاف ہے کہ تم پانی پیو۔ آپ موجیں مارتے ہوئے دریا سے پیاسے ہی پلٹ آئے اور مشک لے کر خیام اہل حرم کی طرف متوجہ ہوئے۔

راہ میں دشمنوں سے سخت معرکہ پڑا مگر اس سقائے حرم نے بھری ہوئی مشک کی طرف جو کاندھے پر تھی کچھ بھی التفات نہ کی اور اپنی آخری سانسوں تک پانی کی حفاظت میں سعی کی۔

بہر حال حضرت عباس علیہ السلام کی شخصیت باعتبار علمدار فوج ہونے کے بے مثل و بے نظیر شخصیت تھی۔ آپ کے مراتب نزد خدا و رسولؐ و پیش ائمہ علیہم السلام اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ بیان کئے جا سکیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا شہادت حضرت عباسؑ پر فرمانا کہ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ مسدود ہو گئی۔ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباسؑ کی زندگی تک بڑا بھروسہ تھا اور بعد شہادت حضرت عباسؑ گویا حسین علیہ السلام کے لئے زندگی بے [illegible] اور بے لطف ہو گئی تھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو حمایت [illegible] عباسؑ پر وہی بھروسہ تھا جو رسول خدا صلعم کو حمایت علیؑ پر بھروسہ تھا۔ مگر رسولؐ اللہ کی زندگی کا سہارا تو ان کے آخری وقت تک ان کا حامی و مددگار رہا مگر افسوس صد افسوس کہ حسینؑ کی زندگی کا سہارا حسینؑ کی زندگی ہی میں نظروں کے سامنے دشمنوں کے ہاتھوں شہید کر دیا گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے قلبی تاثرات کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی ملتا ہے۔

حاجی محمد رضا ازوی نے حضرت عباسؑ کا مرثیہ بزبان حضرت امام حسین علیہ السلام کہا۔ اس میں ایک مصرع فرمادیا۔ مصرعہ

یوم ابوالفضل استجار بہ الهدیٰ

(یعنی روز عاشورہ وہ روز تھا کہ اس روز حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کی پناہ چاہی) جب اسی مصرعہ کو لکھ چکے تو دل میں خیال آیا کہ مبادا دربار امام حسین علیہ السلام میں یہ مصرعہ مقبول نہ ہو۔ اس کے بعد دوسرا مصرعہ اس مصرعہ پر نہیں لگایا۔ شب کو خواب میں دیکھا کہ ازوی تم نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے بیشک میں نے اپنے بھائی عباسؑ کی پناہ چاہی اور پھر امام نے خود ازوی کے مصرعہ پر مصرع لگادیا۔

والشمس من کدر العجاج لثامها

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت میں عباسؑ کی پناہ میں تھا اس وقت آفتاب بھی تیرگی غبار کربلا سے نقاب پوش تھا۔

خدایا تو بہ تصدق وفائے حضرتِ عباسؑ ہمارے جوانوں بوڑھوں اور بچوں کو جذبہ وفائے مذہب عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

نظارہ کی بقا کی ذمہ داری شیعہ قوم کے بچے بچے پر ہے

رباعیات

(از نتیجہ فکر جناب مولانا عالم الرضوی صاحب، دبیر کامل، پریذیڈنٹ انجمن پنجتنی شاہگنج آگرہ)

شیرازۂ اسلام

یوں گلشن ایماں کو نکھارا شبیرؑ
اولاد کے خوں سے سنوارا شبیرؑ
اب خاک میں کربلا کی تا ابد چمکے گا
اسلام کی قسمت کا ستارا شبیرؑ

"ناخدائے کشتیٔ اسلام"

اسلام کی کشتی کا سہارا تو ہے
جس ذات نے ملت کو ابھارا تو ہے
اے کربلا والے تین دن کے پیاسے
کوثر کی روانیوں کا دھارا تو ہے

"یادِ شہید"

کیوں درد و الم کی آگ میں جلتا ہے
غم کے سانچے میں کس لئے ڈھلتا ہے
تازہ کرتا ہے یاد کس کی خورشید
ہر صبح لہو منھ پہ کیوں ملتا ہے

"شہید اعظم"

ایماں کے جواہر کا دفینہ تو ہے
اسلام کے خاتم کا نگینہ تو ہے
آغشتۂ خاک و خون، شہید اعظم
سرمایہ فطرت کا خزینہ تو ہے

باوفا تم ہو

اشعار مدحیہ در شان حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

(از جناب سید سرفراز حسین صاحب خبیر لکھنوی)

خدا شاہد ہے اے عباسؑ جانِ مرتضٰیؑ تم ہو — وفا دم بھر رہی ہے جس کا ایسے باوفا تم ہو

تمھارے جد ابو طالب مربی پیمبرؐ تھے — تو محبوب جگر بند رسولِ کبریا تم ہو

تمھارے عم ذی قدر احمد مختار رحمت تھے — برائے اہلِ ایماں رحمت رب علا تم ہو

پدر سیف جن کی خاطر ذوالفقار آئی — پئے اعدائے دیں شمشیر قہر کبریا تم ہو

علیؑ کو دی خدا نے چشمۂ کوثر کی مختاری — وہ ساقی ہیں تو سقائے حرم نامِ خدا تم ہو

یداللہ زور بازوئے شہنشاہ رسالتؐ تھے — مگر دست زبردست شہ کرب و بلا تم ہو

علیؑ نے دی انگوٹھی ہاتھ کی سائل کو مسجد میں — دیئے ہاتھ اپنے راہ حق میں وہ اہلِ عطا تم ہو

قسم دے کر نہ تم کو روکتے گر سیدؑ والا — سمجھ جاتے عدو اُس وقت پھر تم کو کہ کیا تم ہو

کیا دو ہاتھ میں پار اس طرح دریا شہادت کا — صدا کوثر نے دی بیشک حقیقت آشنا تم ہو

یہ تم کہتے ہو میں ہوں اک غلام دلبر زہراؑ — مگر زہراؑ یہ کہتی ہیں کہ میرے دلربا تم ہو

خبیرؔ آج آئے ہو درگاہ میں باب الحوائج کی — دعا مقبول ہو جائے گی مصروف دعا تم ہو

عجب کیا ہے ملے خلعت تمھیں دربار حیدرؑ سے
کہ اُن کے لعل کے مدحت سرا صبح و مسا تم ہو

عناصرِ محبت و ارکانِ وفا

نوشتہ حضرت صدر الملۃ مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب قبلہ مجتہد دام ظلہ
(سرپرست دائرۃ الاشاعۃ نوگانواں ملوآباد)



ہماری اجتماعی کمزوری تنظیمی خرابی اور قومی ضعف کے اسباب کی فہرست طویل ہے طبعی ضابطہ مدنیت سے فائدہ اٹھاتا ہم نہیں جانتے اسلامی پاسداریاں اور ایمانی نگہداشتیں ہم میں کمیاب برادرانہ مواسات و رفاقت کا جذبہ کمزور قوم و قبیلہ اور قرابت کا صحیح لحاظ کالعدم اور ان تمام خرابیوں کا موجب ہماری وہ غفلت ہے جو ہم اپنے بزرگان دین و پیشوایان مذہب کی تعلیم اور ان کے اسوۂ حسنہ کے ساتھ عمل میں لا رہے ہیں۔ ادھر ہم بس فضائل سننے اور پڑھنے کے عادی ادھر ہمارے واعظ و مقرر اکثر ہم کو وقتی طور پر خوش کر کے نعرہائے داد و تحسین سنانے کے خوگر، یہ مسلّم ہے کہ صرف تذکرۂ فضائل یا ذکر مصائب بھی ثواب سے خالی نہیں لیکن تعلیمات سے غفلت اور عمل کے فقدان کا دائمی مرض ہمارے لئے اس قدر مہلک اور دنیا و آخرت کی رسوائی کی طرف لے جانے والا ہے کہ اس کے مقابل صرف وہ ثواب ضامن نجات نہیں ہو سکتا بلکہ ثواب کامل تو متر تب ہی اس وقت ہو سکتا ہے جب محبت و معرفت ہو اور محبت و معرفت ہونے کی صورت میں تعلیمات و اسوۂ حسنہ سے یہ غفلت نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا کہ ہمارا یہ ثواب ایسا معمّہ ہو کر رہ جاتا ہے جس کا حل ہونا ناممکن ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اخلاقاً و عملاً ائمہ مذہب و پیشوایانِ طریقت کے بضد ہوں ان کی تعلیمات کی توہین کرتے ہوں معاذ اللہ خود ان کی توہین و تذلیل کا سبب ہوں اور ان کے ذکر سے جنت واجب ہو جائے اس کے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟

کافروں نے ہمیں مسلمان کہکر سنیوں نے شیعہ کہکر بلکہ تبرائی کا خطاب دے کر اور قریبوں نے بعید کہکر چھوڑا آخر ہمارا اصلاحی و اخلاقی مضامین سے یہ بعد کب تک۔ لے دے کر بھائیوں کی محبت رہ گئی تھی وہ بھی صحیح معنے میں ہمارے یہاں نہیں پائی جاتی اس کو ہم نے زیادہ سے زیادہ حقیقی بھائیوں تک محدود کر دیا ہے اور سوتیلے بھائی باہم منافرت و خانہ جنگی کا شکار ہیں یہاں تک کہ لفظ "سوتیلا" کے تصور کے لئے منافرت و عداوت کا تصور لازم آنے لگا حالانکہ اگر امام حسین علیہ السلام کے سوتیلے

بھائیوں حضرت ابوالفضل العباسؑ اور دیگر فرزندان ام البنینؑ کے تذکرے اس پہلو کو صحیح اور واضح طریقے سے روشن کرتے ہوئے ہمارے سامنے پے درپے آتے رہا کرتے یہ مرض اس حد پر نہ ہوتا سوتیلے بھائیوں کی نگاہیں باہم خونخوار نہ ہوتیں اور ہم بھی یہ کہنے کے مستحق ہوتے کہ ہمارے یہاں کم سے کم بھائیوں میں تو محبت موجود ہی ہے۔

تمام فرزندان امیرالمومنینؑ خصوصاً فرزندان ام البنینؑ علی الخصوص حضرت عباس علیہ السلام کی شاندار سرفروشیاں اور عدیم المثال تعلیمات اس سلسلے میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں کاش سوتیلے بھائیوں کو ان سے فائدہ اٹھانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ہو اس خانہ جنگی اور تباہی سے محفوظ رہیں جس میں وہ مبتلا ہیں بلکہ تمام بھائیوں کے لئے آنحضرتؑ کے حالات اس قاعدہ کے ماتحت اور زیادہ سبق آموز و سرمایۂ نصیحت ہیں کہ جب سوتیلے بھائیوں میں یہ اتحاد اس قدر پاس وفا اور ایسا جذبۂ محبت تھا تو حقیقی بھائیوں میں کتنا ہونا چاہئے۔

جریر کلابی ابن زیاد کے لشکر میں ایک شخص تھا امیرالمومنینؑ کے یہ چاروں فرزند عبداللہ، جعفر، عثمان اور عباس اس کے چچازاد بھانجے ہوتے تھے اس نے ابن زیاد کے ایما سے اپنے غلام عرفان کی معرفت ان چاروں کے پاس ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ تمہیں حاکم کی طرف سے امان ہے حسینؑ سے علیحدہ ہو جاؤ جب یہ نامہ ان وفاداروں کے پاس پہونچا تو اگرچہ وہ سیدالشہداء کے سوتیلے بھائی تھے مگر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ یہ (سوتیلے کا) سوال ہی غلط اور رغرا بیوں کی جڑ ہے خط کو دیکھنا تھا کہ بے چین ہو گئے جوش محبت و وفا میں عرفانی سے کہا کہ تو ابھی یہاں سے دور ہو جا اور ہمارے ماموں جریر سے کہہ کہ ہم ابن زیاد کی امان نہیں چاہتے ہمیں امان خدا کافی ہے۔

اسی طرح جذبات وفا کو ابھارنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ شمر پردہ شب میں اپنے لشکر سے نکل کر فوج فوج حسینی میں آیا اور چونکہ حضرت ام البنینؑ اس کی ہم قبیلہ تھیں اس لئے ان کے فرزندوں کو لبھانے کا خیال خام دل میں لے کر اس نام کی قرابت کو نمایاں کرتے ہوئے آواز دی این بنو اختنا ------ ------ یعنی میرے بھانجے عبداللہ و جعفر و عباس و عثمان کہاں ہیں جب امام حسین علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو ان شاہزادوں سے فرمایا کہ دیکھو شمر کیا کہتا ہے اسے جواب دو فرزندان امیرالمومنینؑ اس کی جانب متوجہ ہوئے اس نے کہا کہ میں تمہیں امان دیتا ہوں حسینؑ کے ساتھ ہو۔ (معاذاللہ)

جنگ نہ کرو فوج حسینی سے نکل آؤ امیر یزید کی بیعت کرو۔ وہی عباسؑ جن کی جان حسینؑ پر قربان تھی للکار کر پکارے کہ اے شمر تجھ پر بھی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت، اے دشمن خدا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے بھائی اور سردار فرزند زہراؑ کو چھوڑ دیں اور یزید کی بیعت کریں ملعون تو ہمیں امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کو نہ

ان حضرات کی یہ وفائیں تو زبان تک محدود تھیں لیکن عملاً اس سلسلے میں کیا کیا تعلیمات دیں اور کیونکر اس بے جا جذبہ کو توڑ کر دکھایا جس میں زمانہ مبتلا ہے اس کے بیان کو دفتر درکار ہیں حسینؑ پر قربان ہو جانے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا سر جسموں پر بار ہو رہے تھے اور ہر گھڑی ایک قیامت گزر رہی تھی جناب عباسؑ اپنے جوش و ولولہ کے ماتحت سب کو بار بار جاں نثاری کی ترغیب دیتے تھے بالآخر بزرگوں کے نام چمکا دیئے' وفا کے جوہر دکھا دیئے' شجاعت کے سکے جما دیئے۔ حسینؑ کے قدم پر سر کٹا دیئے۔

فرزند زہرا پر ام البنین کے یہ چاروں فرزند اس خلوص و محبت کے ساتھ قربان ہوئے کہ تاریخ نظیر نہیں لا سکتی اور اسی طرح امام حسینؑ ان حضرات پر شفقت فرماتے تھے بڑے بڑے اصرار کے بعد میدان میں جانے دیتے تھے جب مجبور ہی ہو گئے کہ کوئی صورت ہی نہ رہی وقت ہی آ گیا تب ہر ایک کو جدا کیا پھر ہر ایک کی لاش پر گئے گریہ فرمایا لاشیں اٹھائیں اس حال میں کہ جب حسینؑ میں بھوک' پیاس' مصائب اور زخموں سے کوئی حال باقی نہ تھا اور کیوں نہ ہوتا یہ ماؤں کی تعلیم تھی ان کی مائیں ہی ایسی تھیں جن میں سوتاپے کی رقابت اور کشمکش نہ تھی زندگی بھر خود بھی شرط صدق و صفا اور قانون رفاقت و وفا پر کاربند رہیں اور اولاد کو بھی یہی تعلیم دی۔ ادھر ام البنینؑ رونے میں پہلے ہائے حسینؑ کہتی تھیں اور پھر ہائے عباسؑ۔ ادھر فاطمہ زہرا خواب میں زائروں کو یہ ہدایت فرماتی تھیں کہ تم میرے فرزند عباسؑ کی زیارت کو کم کیوں جانتے ہو خدا کرے کہ فاطمہ زہرا سید الشہداء امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کا دم بھرنے والے اس سے سبق لیں فائدہ اٹھائیں۔ ان کی سیرت پر عمل کریں اور ناظرین و سامعین اپنے معیار پسندیدگی کو بدل کر مقررین و محررین کو ان تذکروں یعنی اصلاحی اخلاقی مضامین کی طرف آنے کا موقع دیں۔ (واللہ الموفق)

یہ جان ہے یثرب کی یہ روح مدینہ ہے

از جناب مولانا سید عالم الرضوی صاحب بیر کامل'
پریسیڈنٹ انجمن تجلی شاہ گنج آگرہ

یہ دن ہیں مصیبت کے یہ غم کا مہینہ ہے — الحاد کے طوفاں میں ایماں کا سفینہ ہے
کٹتا ہے گلا جس کا جلتی ہوئی ریتی پر — یہ جان ہے یثرب کی یہ روح مدینہ ہے
عباس تن تنہا لاکھوں کے مقابل ہیں — کلثوم پریشاں ہیں بیتاب سکینہ ہے
عباس کے ساحل پر بدلے ہوئے تیور ہیں — پلٹے گی زمیں رن کی یہ صاف قرینہ ہے
اکبر کی طرف برچھی آئی تو اجل بولی — ہمشکل پیمبر کا یہ چاند سا سینہ ہے
دامن جو ہٹا رخ سے صغر کے ملک بولے — اسلام کے خاتم کا ننھا سا نگینہ ہے
شہنشاہ کی میت کا سر کاٹتے ہیں ظالم — اولاد پیمبر سے افسوس یہ کینہ ہے
اکبر کے قریب سرور کس وقت پہونچتے ہیں — دم جسم سے کھنچتا ہے ماتھے پہ پسینہ ہے
یہ کس کو مٹاتے ہو سوچو تو مسلمانو! — سرمایۂ ایماں کا شبیر خزینہ ہے
اے کوفیو بتلاؤ یہ کونسا مذہب ہے — مہماں کا گلا کاٹو یہ کوئی قرینہ ہے
اے ابن فاتح نے جاں راہ خدا میں دی — ہاں یاد اسے کر لو یہ سن یہ مہینہ ہے

ہاں الفت سرور کی یہ سیڑھیاں طے کر کے
وہ سامنے اے عالم فردوس کا زینہ ہے

یہ مآلِ زندگی ہے اور شانِ زندگی

از مداحِ اہلبیت جناب سید امیر حسین صاحب امیر بلگرامی

(تحصیلدار ببرو ضلع باندہ)

کیوں نہ ہو پُر درد شہ کی داستانِ زندگی
لٹ گیا دشتِ بلا میں کاروانِ زندگی

کربلا میں کیوں ہوا تھا امتحانِ زندگی
اس کو وہ جانے کہ جو ہو رازدانِ زندگی

کس طرح شبیرؑ کا گزرا زمانِ زندگی
یا تو مولا خود بتائیں یا زبانِ زندگی

کوئی ہوگا اور پایا جس نے ہو دنیا میں چین
عمر بھر شہ کو رہا دردِ نہانِ زندگی

کھل سکا پھر غنچۂ خاطر نہ عابدؑ کا کبھی
ایسا کچھ اجڑا تھا ان کا بوستانِ زندگی

چشمِ بینا جس کی ہے وہ دیکھ سکتا ہے فقط
زندگی شبیرؑ کی ہے آسمانِ زندگی

کشتیٔ امت بچانے کے لئے طوفان سے
شہ نے کھولا کربلا میں بادبانِ زندگی

سر کٹا کر راہِ خالق میں حسینؑ ابنِ علیؑ
ہو گئے صلی اعلیٰ بس کامرانِ زندگی

کب تجھے زیبا تھا اے چرخِ کہن دیکھا کرے
ہو خزاں شبیرؑ کا جب بوستانِ زندگی

سر کٹا کر زندۂ جاوید سرور ہو گئے
یہ مآلِ زندگی ہے اور شانِ زندگی

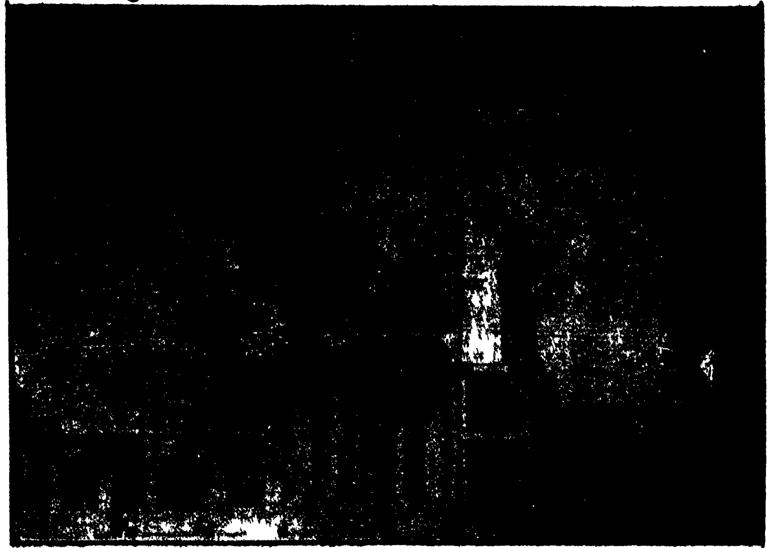
ایسا ٹھکرایا ہے اس کو حضرتِ شبیرؑ نے
کم نہ ہو گی حشر تک ہرگز فغانِ زندگی

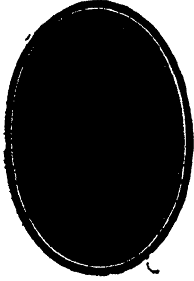
بے خطا اعدا نے مارا محسنِ اسلام کو
حشر تک لب پر رہے گا یہ بیانِ زندگی

غم میں شہ کے قلب سے اٹھتے رہے شعلے اگر
ایک دن پھنک جائے گا اپنا مکانِ زندگی

عمر بھر کہتے رہے سب سے پیمبرؐ بار بار
حضرتِ شبیرؑ ہے لاریب جانِ زندگی

ہر گھڑی ذکرِ شہِ بیکس پہ رونا اے امیرؔ
سچ میں کہتا ہوں کہ ہے روحِ روانِ زندگی





سید ہدایت حسین صاحب لکھنوی



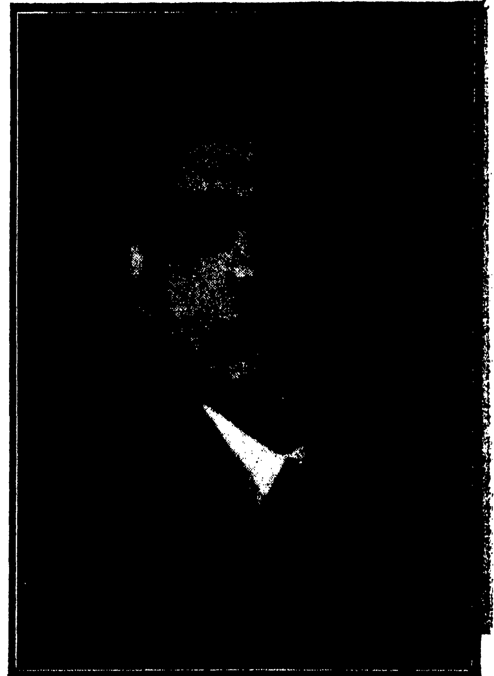
حضرت غفرانمآب طاب ثراہ
جنھوں نے ہندوستان میں شعیت کی تبلیغ کی



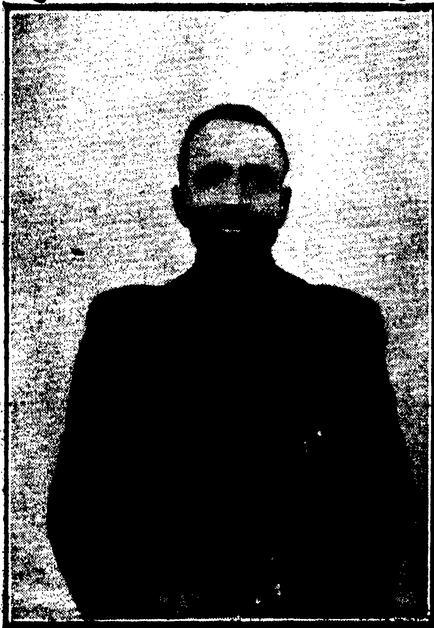
سید نواب صاحب افسر لکھنوی



لکھنؤ کی ایک مشہور مجلس جس میں حضرت عمدۃ العلماء رونق افروز منبر ہیں



سید ظفر عباس فضل ایڈیٹر نظارہ



سید علی اطہر صاحب نقوی مرغوب چاندپوری اور سیر الموزہ

حُر بن یزید ریاحی

(از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

دسویں رات کے منور ماہ چاند نے سراپردۂ مغرب سے برآمد ہوکر عراقی ریگستان کے ذروں کو چمکانا شروع کر دیا، دوپہر کی تپی ہوئی زمین فضا کی ہلکی ہلکی خنکی سے جلتے ہوئے کلیجے کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ شب کی لطیف و فرحت بخش ہوائیں نہایت کی متحرک سطح سے دبے پاؤں گزرنے لگیں خدا کی بے زبان مخلوق جو سموم کے آلات آتشیں جھونکوں سے بچنے کے واسطے محفوظ بھٹوں اور مستور آشیانوں میں پناہ گزیں ہو گئی تھی۔ موسمی تپش میں کمی واقع ہو جانے سے قدرت کے بچھائے ہوئے وسیع دسترخوان سے اندوقہ حاصل کرنے کو نکلنے لگی۔

نینوا کے برگ و گیاہ کے میدان میں حشرات الارض کے مانند جمع ہو جانے والے کوفیوں اور شامیوں کی سیاہ، بھوری اور چتلی چھولداریاں کسی قدر بے ترتیبی کے ساتھ دور دور تک [illegible] نظارے پیش کرتی نظر آئیں بدوؤں کے سادہ بستر [illegible] پھیلی ہوئی بالوں پر بچھ گئے اور دس دس، بیس بیس نفوس کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی واقعات حاضرہ پر نقد و تبصرہ کرتی دکھائی دینے لگیں۔

یہ لوگ سیدہ کے لال، علی کے میوۂ دل اور ان سب سے زیادہ رسول اللہ کے دلارے فرزند حسین اور ان کی آل اولاد، عزیز و اقارب، اصحاب و انصار کے جابرانہ قتل کا بیڑا اٹھا کے علقمہ کے کنارے مورچے ڈالے پڑے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ آل ابوسفیان کی سیاہ کاریوں یا کفر نوازیوں کا دامن چاک کر کے اسلام کا ایمان افروز نور پھیلانے والوں سے دنیا مستفید کر سکے اور بدر و احد، خیبر و خندق کے کشتوں کا خون زمانے میں انتقام رہ جائے آخر ہاشمیوں کی تو تلوار تھی جو مذکورہ معرکوں میں برق جہندہ بن کے چمکی اور بجلی نے لات و ہبل کے کیسے کیسے دلاور سپوتوں کو اپنی باطل خشک آنچ میں بھسم کر دیا تھی ان کی ناپاک روحیں ہنوز انتقام انتقام کا شور کرتے سنائی دیتی ہیں بھلا اس سے بہتر کوئی اور زمانہ بھی آل رسول کی کمزوری سے فائدہ حاصل کرنے کا ہو سکتا ہے۔

یہ خیالات تھے جو ان زر پرستوں، دنیا کے بندوں کو عذاب و ثواب سے بے پروا کرتے ہوئے انسانیت سوز مظالم پر آمادہ کیے ہوئے تھے۔ از بسکہ ان کے قلوب پر ہاشمی دلیروں کی دھاک جمی تھی محض اس غرض کے ماتحت فوج کے سالار عمر سعد نے ساتویں سے عافیت خواہ و امن دوست حسینیوں پر آب و دانہ بند کر دیا تھا، ان کے بوڑھے، جوان، بچے، اور پردہ نشین مخدرات

پیاس کی سختیاں برداشت کر رہی تھیں مگر صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔

مخالف گروہ میں جو کم سے کم تیس ہزار پر مشتمل تھا چند افراد ایسے بھی تھے جن کے ایمانوں کو ہنوز کفر کا زنگ نہیں لگا تھا لیکن عبیداللہ ابن زیاد کے قہر و عذاب سے محفوظ رہنے کا خیال تقیہ کے طور پر گمراہوں کے ساتھ کربلا لے آیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ موجودہ مہم کا خاتمہ امن و صلح پر ہوگا کیونکہ خطا کار سے خطا کار مسلمان بھی خدا کے پیغمبر کے نواسوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے اہلبیت کی بے حرمتی نہیں کر سکتا۔

ان حق پسندوں کی توقعات پوری نہ ہو سکیں، خدا کے دشمنوں نے حقوق الناس تو ایک طرف خدا اور رسول کے حق کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا۔ اُن کے مظالم کا شکنجہ روز بروز تنگ ہوتا رہا حتیٰ کہ نویں تاریخ شام سے کچھ پہلے صلح و آشتی کے جملہ امکانات ختم ہو کر جدال و قتال لازمی قرار پا گئی۔

اب حق پسندوں کی فکر و تشویش کی حد و نہایت نہ رہی، غلط روی کا احساس ہوا اور اتنی شدت سے ہوا وہ تڑپ تڑپ اٹھے اگر یہ غلطی دنیا کے معاملات تک محدود رہ سکتی تو بھی غنیمت تھا۔ قیامت تو یہ تھی کہ مستعار زندگی کے لئے آخرت مٹی جاتی تھی بنی زادے کے مقدس و محترم لہو میں ہاتھ رنگین کر لینے کے بعد شفیع محشر کی سعی و سفارش کا کونسا امکان باقی رہ جاتا تھا پھر اس حالت میں جبکہ خود انھوں نے یزیدی فسق و فجور سے متنفر ہو کر امام زمانہ کو متعدد عرضداشتیں بھیج اور قاصد روانہ کر کے کوفہ کی طرف تشریف ارزانی فرمانے پر مجبور کر دیا تھا۔ انھوں نے امام ہونے کا دکھڑا روتے ہوئے دینی ذمہ داریوں کا واسطہ دیا تھا اور التجاؤں کی عدم منظوری کی صورت میں تمام مذہبی کوتاہیوں کا جواب دہ انھیں بتایا تھا۔

پھر یہی نہیں مسلم ابن عقیل کی تشریف آوری پر طرز عمل سے صداقت کا ثبوت دے دیا تھا، کاش وہ اپنے عزائم میں ثابت قدم رہ سکتے کاش مسلم بن عقیل کی رفاقت میں ناچیز جانوں کی قربانی ادا کرتے ہوئے اس نامبارک دن کے لئے باقی نہ رہ گئے ہوتے۔ اب اُن کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تقیہ کی حفاظتی نقاب چہرے سے دور کرتے ہوئے جس طرح ممکن ہو کفر و نفاق کی تہ بہ تہ ظلمتوں سے نکل کر حق و راستی کے انوار سے جگمگاتے ہوئے عالم میں پہونچ جائیں اس کی مدد و نصرت کریں جو مدد و نصرت کا صحیح حقدار ہے۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں سر دیں جو دنیا کی سرداری کے علاوہ جنت کے کل جوانوں کا سردار ہے۔



جس وقت معدودے چند خدا رسیدہ دل الجھنوں میں میں الجھے ہوئے اُن گتھیوں کو سلجھا رہے تھے حر بن یزید ریاحی خیمے کے اندر اپنے بستر پر مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا اسکو نسبتہً زیادہ تعب تھا کیونکہ وہی کینہ فطرت سردار کے حکم سے سبط رسول اللہ کو کربلا تک لایا تھا اس لئے وہ اپنے آپ کو اس عظیم حادثہ کا ذمہ دار متصور کر رہا تھا اسکی جرأت و دلاوری میں مطلق کلام کی گنجائش نہیں تیغ و تفنگ کے کھیلوں میں اس کا بچپن گزرا تھا، جوانی میں بڑے بڑے معرکے سر کر کے نام و نمود حاصل کی تھی کوفہ

سختی سے سخت خطرہ اُس کے شجیع دل کو مرعوب کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس روحانی خوف نے اس کے جوڑ جوڑ بند بند کو مرتعش کر دیا تھا۔

جبتک صلح کا امکان باقی رہا قلبی اضطراب والتہاب ایک حد کے اندر محدود رہا کیونکہ صلح ہو جانے کے بعد تعینی طور پر اس کے جرائم کا بوجھ ہلکا ہو جانے کی امید تھی۔ رسول کے گھروالوں پر نام نہاد مسلمانوں نے پانی بند کیا تو اس کی بیتابیاں فزوں ہو گئیں۔ اس کی آزاد روح محکومانہ پابندی سے گلوخلاصی کیلئے پھڑپھڑانے لگی مگر اپنے لشکر سے کھلے بندوں نکل کر امام کی خدمت میں حاضر ہو جانا دشوار ہی نہیں محال نظر آیا۔ عمر سعد کے مقرر کردہ دستے عزائم سے خبردار ہو کے راستے ہی میں خاتمہ کر دیتے اور وہ عفو تقصیر سے پہلے ندامت کا بار اٹھائے دنیا سے گزر جاتا۔

صلح کے دروازہ کھلے ہونا بھی ذرا ظہور ڈہارس کا باعث تھا۔ وہ بیقرار دل کو دہلانے نتیجہ کا منتظر رہا لیکن فطری تمیت نے آب و غذا ترک کرا دی وہ ہرگز گوارا نہ کرسکا کہ امام کے ننھے ننھے

نوحہ

اہل عزا حسینؑ کا ماتم کیا کرو

از جناب مولانا کاشف لکھنوی تلمیذ حضرت فضل لکھنوی

مصروف غم میں رہنا ہے تو یوں رہا کرو ، اہل عزا حسینؑ کا ماتم کیا کرو ،
اے ظالموں نہ بچے پہ ظلم و جفا کرو ، پانی پلا دو خوف رسول خدا کرو
اے اہل دل خلوص کے دامن پہ اشک ہوں یہ نذر شاہدیں کو برابر دیا کرو !
فرماتے تھے حسین یہ اعدا سے دم بدم میں صبر ہی کروں گا جفا پر جفا کرو
آپس میں کہہ رہے تھے یہ انصار شاہدیں الفت یہ ہے امام کی حق سے دعا کرو
عباس پر بھی ٹوٹ پڑے کہہ کے یہ لعیں گل اب ہوا ہے ظلم سے شمع وفا کرو ،
لے کوفیو تمہارے بلانے سے آ گئے ہیں پردیس میں نہ شاہ زمن سے دغا کرو

کاشف ہٹو نہ جادۂ ذاکر سے عمر بھر
ہوں جس میں بین نوحے تم ایسے کہا کرو

ے کھانے پانی کو ترسیں اور وہ لذیذ غذاؤں سے معدے کی
تمنا پوری کرے۔

حر کی زوجہ اس انقلاب سے متحیر تھی، وہ دیکھ رہی تھی کہ
جری شوہر سے ہمیشہ کے خلاف حالات و واقعات رونما
ہو رہے ہیں وہ ان تغیرات کو خوف و ہراس پر محمول
کرنے سے قطعی معذور تھی، کوئی دوسرا ہوتا تو شاید اس کے متعلق
جنگ سے ڈر جانے کا قیاس صحیح ہو سکتا۔ مگر حر جس کی شجاعت
جوانمردی مسلم تھی کیسے یقین کیا جائے کہ حلیفوں کی کثرت کے
باوجود قلیل جماعت سے خائف ہو سکتا ہے۔

اس نے ان چیزوں کو طبیعت کی ناسازی سے تعبیر کیا
کئی مرتبہ اصرار کے ساتھ قلبی حالت دریافت کی مگر حر نے
دلی راز منکشف نہ کرنے میں مصلحت دیکھ کر ٹال مٹول کر دی،
رفتہ رفتہ دن گزر گیا شب معلوم ہوا کہ جمعہ ہوتی ہے
خدا کے خاص بندے مخصوص اعمال بجا لاتے ہیں حسینی گروہ
کی خواہش پر یزیدیوں کی جانب سے اس ایک رات کی مہلت
منظور ہو کر صلح و موافقت کا باب بند کر دیا گیا۔

حر کی بیتابیاں ضبط کے قابل نہ رہیں، جب تمام بڑے
بڑے سردار بغیر کسی خوف و فکر کے سر و سیراب ہو کر نرم نرم راحت
رساں بستروں پر پاؤں پھیلائے سو رہے تھے حر دونوں
ہاتھوں سے کلیجہ تھامے خیمے سے باہر نکل کر ٹہلنے لگتا تھا
کبھی بستر پر گر کر بلک بلک کر رونے میں مصروف ہو جاتا
تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جہنم کی آگ بھڑک رہی
تھی اور لیکن ہر سے شعلے اس طرف بڑھتے تھے اور راستے ان کے
[illegible] ہوتی تھی۔

بادی النظر میں دنیا اس پر فراخ تھی کیونکہ بادشاہ شام کی
خوشنودی حاصل تھی، حسین کا بڑا خطرہ اس کے راستے سے دور
کر دیا اس نے قدر کے قابل خدمت انجام دی تھی۔ اس کے
صلے میں جتنا بھی بخشش و انعام کی امید کی جائے کم ہے
تاہم آخرت بالکل تباہ ہو چکی تھی وہاں آتش دوزخ کے
سوا کوئی چیز اس کے واسطے نہ تھی۔ اس میں عذاب [illegible] برداشت
کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔

رات گذری — انتہائی کرب و اضطراب سے گزری
حر کا [illegible] کرنا دشوار ہے۔ وہ بدنصیب کیا سمجھ سکتے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
حر [illegible] غافل [illegible]
ایک شخصیت تھی جس نے رات کی [illegible] حقیقت کا
بے نقاب چہرہ دیکھ کر دنیا کی چند روزہ بہاروں سے نگاہ
پھیر لی تھی وہ صبح کا مشتاق تھا [illegible] روشنی میں
جان سی عزیز و گرانمایہ چیز کو فرزند نبی کے قدموں پر نثار کر سکے پیغمبر
اسلام [illegible] آمادہ ہو چکی
تھی جو کچھ تاخیر تھی [illegible]
جو [illegible]
اپنے گزشتہ قصوروں پر ندامت [illegible] تاکہ قیامت
گناہ بخشوا سکے۔

درحقیقت یہ منصوبہ اسی وقت پورا ہو سکتا [illegible]
عزائم کو مستور رکھتے ہوئے چلے — ....

ساتھ یزیدی لشکر کی حدوں سے باہر نکل سکے افشائے راز کی حالت میں عمر سعد کی طرف سے ناقابل مدافعت رکاوٹیں پیدا کر دی جاتا یقیناً تھیں۔ یہی باعث تھا کہ حر نے شریک دوستوں کو بھی راز دینا ناپسند نہ کیا۔ اپنے ارادوں کو دل کے اندر محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ صبح نے رسول زادہ عاشور کے پردہ ظلمت کے سیاہ گریبان چاک کر ڈالا۔ سورج کی پہلی کرن اترتی ہوئی زمین پیدا ہوئی اور مسلمان نما کافروں کے لشکر سے مؤذن نے نامقبول اذان کی صدا بلند کرکے منافق گروہ کو مظلوم حسین کے قتل پر کمربستہ ہونے کی دعوت دینا شروع کی دستی حرب چیرہ داریوں اور خیموں سے نکل نکل کے شناسائی ... ہوئے، پھر فوت آراستہ ہوئے اور دونوں ... تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔

"شیک یہی موقعہ تھا کہ ساقی کوثر کے فرزند کی شراب محبت کا متوالا جنگی اسلحہ جسم پر سجائے، گھوڑا اچھالتا عمر سعد کے سامنے آکھڑا ہوا۔ ہر چند روحانی تشویشوں نے اس کے پُر شوکت چہرے کو مرجھا سا دیا تھا۔ لیکن کفر و ضلالت کی دلدل سے نکل کر حق و ایمان کا جادہ تلاش کر لینے کا عزم صمیم اس سے ساطع تھا آنکھوں سے امید و بیم کی مخلوط کیفیت ٹپکی پڑتی تھی اور مبہم نگاہیں قلبی تفکرات کا اندازہ کئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں۔ چند لمحہ توقف کرنے کے بعد اس نے سوال کیا "یا امیر! کیا صلح و آشتی کے دروازے مسدود ہو گئے کیا اب مفاہمت کا کوئی امکان باقی نہیں؟"

کیا حسین ابن علی کی شرطوں میں جو متعدد ہیں دریافت کیا کوئی شرط اس قابل نہیں جو منظور کی جائے؟"

"معقولیت کے باوجود۔" عمر سعد بولا۔ "ابن زیاد کے نزدیک کوئی شرط قابل بیعت کے قابل نہیں"

تو کیا حر نے پوچھا۔ فرزند رسول سے جنگ کروگے؟"

"بیشک" عمر سعد نے جواب دیا۔ "اتنی شدید جنگ کہ تلواریں ٹوٹ جائیں گی نیزے بیکار ہو جائیں گے، ترکشوں میں کوئی تیر باقی نہ بچے گا اور رزمگاہ میں کشتوں کے پشتے لگ جائیں گے۔"

حر نے پھر کوئی سوال نہیں کیا، مرکب کی باگ موڑ کے اپنے رسالے میں آکھڑا ہوا۔ اُسکی آنکھوں میں دنیا تاریک تھی، دست و پا کسی اندرونی خوف سے بید کی طرح لرز رہے تھے اور وہ متلاشی نگاہ سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اسکا دل چاہتا تھا کہ کوئی پَر لگ جائے اور بیدینوں کی نظر سے بچ کر دیندار کے گروہ میں پہونچ جائے، لیکن فوجی ترتیب کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ شاہِ کم سپاہ تک پہونچنا آسان نہ تھا۔ جتنے عرصہ تک وہ لشکر سے نکلنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ اتنی دیر میں بریر ہمدانی کا اعتبار اور سیدالشہدا کا مدلل خطبہ ختم ہو گیا عمر سعد نے اپنی کمان سے پہلا تیر چھوڑ کر جنگ کا آغاز کر دیا اسکے بعد ہی تیر برسنے ... لڑکیں، بارش کے قطروں کے مانند تیر چلے اور حسینیوں نے ان کی پذیرائی کو سینے کشادہ کر دیئے اب حر کو ایک پل بھی اپنی جگہ ٹھہرنا دشوار ہو گیا وہ کچھ سوچے بغیر باگ اٹھا کر چل نکلا سیدالشہدا کی خدمت میں حاضر ہونے کی ذہنی دلیل منزل بنی اور جذبۂ ایمان ہم عنان ہو رسالے سپاہیوں نے چاہا کہ سالار فوج سے سلہ کی اجازت

لئے جا رہا ہے وہ اس کی واپسی کے منتظر رہے۔ اور حر نے اس طرح بڑھنا شروع کیا کہ کبھی قلب فوج کا رخ کرتا کبھی میمنے یا میسرے کی طرف پلٹ پڑتا مقصد یہ تھا کہ صحیح مطلب پر کوئی آگاہ مطلع نہ ہو سکے اور وہ لشکر کا چکر کاٹتا ہوا امام کی خدمت میں پہونچ جائے راستہ میں بعض سرداروں سے ملنے کا اتفاق ہوا مگر انھیں اپنی طرف متوجہ پا کر گفتگو چھڑنے سے قبل ہی حر نے راستہ بدل دیا وہ گوارا نہ تھا کہ کوئی شقی القلب دلی جذبات و تاثرات سے مشتبہ ہو سکے



نصیب کی مساعدت نے حر کو منزل کے سامنے پہونچایا مجاہدین کا مختصر گروہ فوجی ترتیب کے ساتھ دھندلا دھندلا دکھائی دینے لگا علم کا سبز پھریرا جو تمام غزووں میں کبھی حمزہ کی دوش پر لہرایا، کبھی جعفر طیار کے ہاتھ پہ بلند ہوا اور کبھی علی بن ابی طالب کے بازو پہ معراج پاتا رہا تھا، آج حسین سی فی لوقا ہستی کی معیت میں اڑتا ہوا دکھائی دیا اس کا دل بڑھ گیا ایڑ دیکر اپنا ہوار کی رفتار تیز کر دی، ہنوز منزل کا جادہ قدم کے نیچے تھا کہ پہلو کی جانب سے ایک آہن پوش سوار فرس اڑاتا ہوا آتا نظر پڑا۔

حر نے فی الفور مرکب کی لگام فرات کی طرف پھیر کر ایسا اظہار کیا جیسے وہ گھاٹ پر جانا چاہتا ہے آنے والا سوار قریب پہونچا تو پہچانا کہ قرۃ بن قیس ہے وہ باگ کھینچ کر کھڑا ہو گیا جذباتی کیفیت کے طاری ہونے سے ہاتھ پاؤں تھرتھرا رہے تھے، اگرچہ اس نے اس کیفیت کو دبانے کی سعی بھی کی لیکن جسمانی قوتیں ضبط و تحمل سے معذور رہیں۔

قرۃ نے سر سے پاؤں تک حیرت کی نگاہ ڈالی، پھر انتہائے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بولا حر! یہ کیا حال ہے؟ خدا کی قسم اگر یہ پوچھنے والا مجھ سے سوال کرتا کہ عراق کا شجاع ترین مرد کون ہے؟ تو میں اس کے جواب میں کامل وثوق کے ساتھ تمہارا نام پیش کرتا۔ مگر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہیں کہ تمہیں اس معمولی معرکہ میں لرزہ براندام دیکھ رہا ہوں؟

"لرزہ براندام! حر نے الفاظ دہراتے ہوئے کہا [illegible] میری آنکھوں کے سامنے دوراہا ہے ایک راہ سرسبز مرغزاروں سے گزرتی ہے جہاں جابجا میوہ دار درخت اپنی جگہ لذت آفرینیوں سمیت جھوم رہے ہیں۔ سیکڑوں شکار دعوت دینے میں مصروف ہیں دنیوی خوش کامیاں ایک ایک گام پر قدم چومنے کو تیار ہیں لیکن اس کی انتہا پر دوزخ کے غضبناک شعلے لپک رہے ہیں! اس کے برخلاف دوسری راہ کانٹوں سے معمور ہے، قدم قدم پر ذلت و رسوائی، مصائب آلام کا سامنا ہے کوئی گام خطرے سے خالی نہیں مگر وہ راستہ ایک ایسے سدا بہار باغ پر منتہی ہوتا ہے جس کی کیفیتیں لفظوں کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتیں"

حر خاموش ہو گیا اُس کی آنکھوں سے انتہا فکر و تشویش جھلکنے لگی۔ قرۃ بن قیس اس گفتگو کا مطلب نہ سمجھ سکا اس نے استعجاب رفع کرنے کی غرض سے "حر! یہ معمہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ جو کچھ کہنا ہو صاف کہو"۔

"کچھ نہیں۔ حر نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔ کیا تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا ہے؟"

"نہیں۔ قرۃ بولا مگر اب پلاؤں گا"

+ "فرزند پالیا!" حر نے کہا اور آگے بڑھ کر گھوڑے کو فرات کی طرف چھوڑ دیا

قرۃ دل ہی میں حر کی گفتگو سے پریشان ہوتا ہوا لشکر کی جمی ہوئی صفوف کی طرح واپس ہوا۔ خیال تھا کہ حر نہر سے گھوڑے کو سیراب کر کے واپس آئیگا تو پھر مکر حقیقت دریافت کرنے کی سعی کی جائے گی۔ اوسے وہم تک نہ تھا کہ حر کی قسمت رسا ہو چکی ہے نفاق کی تاریک گھٹاؤں سے نکل جانے کے بعد کوئی خوش اقبال ظلمتوں کی طرف نہیں لوٹتا ـــ اسی طرح جیسے خاکدان ہستی سے گزرنے والے پھر کبھی دنیا کا رخ نہیں کرتے۔

حر لشکر کا چکر کاٹتا ہوا اس جگہ پہونچا جہاں سے سید الامام کی خدمت میں حاضر ہونا ناممکن تھا۔ یہاں پہونچ کر راہوار کی باگ کھینچی، گھوڑا رکا اور اس نے محاذ پر گشتی نگاہ ڈال کے دیکھا لڑائی کا آغاز ہو چکا تھا کمانداروں کی کمانیں کڑاک رہی تھیں حسین ابن علی کی طرف آنے والا ہر تیر شہادت کا مژدہ لے کر حاضر ہوتا تھا حامد لیلوں نے اپنے سینے سپر کرتے ہوئے ہاشمیوں کو حلقے میں کر لیا تھا یوں کہ حریف کی صفوں سے آنے والے ناوک ان کے قریب نہ جا سکتے تھے۔

حر نے چند لمحوں تک ساکت و صامت رہ کر حق و باطل کی لڑائی کا تماشہ دیکھا، دلیرانہ جذبات میں تلاطم پیدا ہوا شریف خون رگوں میں جوش مارنے لگا اور اس نے اپنے رسالے کیطرف منہ کر کے اپنے بیٹے علی کو آواز دی۔

علی ابن حر کو باپ کے تاثرات کی مطلق اطلاع نہ تھی وہ اپنے مقام پر قلب کی طرح جما ہوا فوجوں کی نقل و حرکت دیکھنے میں محو تھا یکایک باپ کی آواز سنکر چونکا اور لبیک لبیک کہتا ہوا گھوڑا بڑھا کر حر کے مقابل آکھڑا ہوا۔

"بیٹا" حر نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا اسوقت میری آنکھوں کے سامنے دو متضاد منظر پیش ہیں۔ ایک طرف جہنم کے سخت وحشتناک شعلے لپک رہے ہیں، دوسری جانب بہشت عنبر سرشت کی بہاریں جلوہ گر ہیں مگر ان تک پہونچنے کیلئے تلواروں کی باڑھ پر سے گزرنا پڑیگا اس باب میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جو آپ پسند کریں" علی نے جواب دیا۔ "مجھے اطاعت و فرمانبرداری سے انحراف نہ ہوگا"

"مرحبا" حر نے رضامندی ظاہر کی لیکن تمہارا باپ دوزخ میں جلنے کی طاقت نہیں رکھتا، اس لئے جوانان جنت کے سردار حسین ابن علی کی حضور میں عفو تقصیر کی غرض سے جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ حصول سعادت کے لئے" علی نے کہا۔ "میں بھی ہمراہ رکاب ہوں"

باپ، بیٹے نے متفق ہو کے گردو پیش نگاہ کی، مخالفین کی نظریں جنگ کیطرف مرتکز تھی ان دونوں کی جانب کوئی آنکھ نگراں نہ تھی اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں باپ بیٹوں نے باگیں ڈھیلی کر کے ایڑ لگائی۔ عربی گھوڑے فراٹے بھرتے ہوئے ارم کے جادے پر ہو لئے۔ اب راکبوں کو کسی مزاحمت کی پروا تھی نہ ہزاروں خونخواروں کا خوف۔ خونریز تیر سنسناتے ہوئے ان کے داہنے بائیں سے گزر رہے تھے اور وہ ان کی جانب دھیان دیئے بغیر بڑھے چلے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ درمیانی مسافت طے ہوگئی اور وہ دشمنوں کی حد سے نکل کر جوار رحمت میں داخل ہو گئے۔

حسینی سرفروش معرکہ دارو گیر میں الجھے تھے جو تیر سامنے سے آتا تھا بڑھ بڑھ کے ڈھالوں پر روک لیتے تھے فوج کے قلب میں

سبطِ رسول اللہ رونق افروز تھے۔ پشت پر علم کا سبز پھریرا لہرا رہا تھا۔ سینے ویسا تھا نزادہ رسالت وسیادت کے شیر دل جوان گھوڑوں پہ تھے۔ ان کے ہاتھ تلواروں کے قبضے پر تھے اور نگاہیں حریف لشکر پر لگی تھیں۔ یکایک ایک اعرابی رومال سے ہاتھ باندھے خود سے منہ چھپائے حاضر ہو کر گھوڑے سے کودا اور جھپٹ کر امام کے قدموں پر جھک پڑا۔

"بھائی! تو کون ہے؟ امام نے محاذ سے نگاہیں پھیر کر قدم چھونے والے سے فرمایا۔ ذرا سر تو اٹھا!"

"مولا! قدموں پر جھکا ہوا عرب بولا۔ اگر کوئی خطاکار توبہ کرے تو قبول ہو سکتی ہے؟"

"رحمت کسی کو مایوس نہیں کرتی۔ خطابخش و کریم امام نے ڈھارس دی۔ مگر تو ہے کون؟"

"وہی معصیت کار۔ عرب نے عرض کی۔ حر ابن یزید ریاحی، جو آپ کو گھیر کر کربلا لایا تھا۔"

"میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ فرزندِ رسول نے فرمایا۔ اور خدا بھی بخشے۔"

حر کا چہرہ مسرت کے جذبات سے چمک اٹھا۔ اس نے رکاب کو چوم کر سر اٹھایا۔ مزید مرحمت فرماتے ہوئے نبی زادے نے جھک کر اٹھا لیا۔ کھڑے ہو کر حر نے تسلیم بجا لا کر عرض کی: "یا ابن رسول اللہ! مجھے جان فدا کرنے کی اجازت مرحمت ہو۔ گمراہوں کے مظالم دیکھتے ہوئے میرا نفس تنگی کر رہا ہے۔ تمنا ہے کہ سب سے پہلے ان قدموں پر تصدق ہو کر خدا کے پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔"

"اتنی جلدی کیا ہے؟ امام نے ارشاد کیا۔ تو میرا مہمان ہے، ٹھہر کر تھوڑا دم لے، پھر جہاد کو نکلنا۔"

"بخشی ہوئی روح عفو کی بارش میں دل کو انتظار کا یارا نہیں۔"

"اچھا یہی خواہش ہے تو۔ امام نے اجازت مرحمت کی۔ جا خدا جزائے خیر دینے والا ہے۔"

حر نے گھوڑے پر سوار ہو کر بیٹے کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور آگ اٹھا دی۔ تیروں کی بوچھاڑ سے ڈھالوں کی پناہ لیے ہوئے جانباز میدان میں آئے۔ قلوب کا جوش عقیدے کے جذبے میں کربلا پر چھا گیا۔ ہنوز ابن سعد کے لشکر سے کوئی پہلوان مقابلے کو نہ آیا تھا مگر خود اس کے رسالے سے دو جوان باہر نکلے۔ ایک گھوڑے پر سوار، دوسرا پیادہ، دونوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے۔ دونوں کے گلوں میں حمائل تھے۔ تسبیح کے ساتھ پڑھتے ہوئے تیغ ننگی کیے ہوئے تھے۔

دیکھنے والوں نے گمان کیا کہ حر کی بغاوت سے برافروختہ ہو کر سزا دینے کو روانہ ہوئے ہیں۔ محض اس خیال کے ماتحت فریقین خاموش کھڑے نتیجے کا انتظار کرتے رہے۔ اور وہ دونوں بڑھتے ہوئے حر اور علی کے بالمقابل جا کھڑے ہوئے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ دونوں نہ مخاصمانہ جذبے کے ماتحت آئے تھے نہ کوئی غیر تھے بلکہ سوار حر کا بھائی مصعب بن یزید ریاحی اور پیادہ حر کا غلام عروہ تھا۔

عروہ نے تو دوڑ کر اپنے سید و مولا کے قدموں پر آنکھیں مل کر تجدیدِ عقیدت و فرمانبرداری کا اظہار کیا لیکن مصعب نے شکوے کے طور پر کہا: بھیا! آپ تو جنت میں چلے آئے مجھے جلنے کو دوزخ میں چھوڑ دیا۔

"ہنوز خلد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔" حر نے جواب

تیسرا لڑکا نے حسینؑ کی رفاقت میں بہادرانہ موت کی چاشنی چکھی ہو

مصعب اور عروہ نے ضلالت سے نکل کر حق کی روشنی میں قدم رکھا اور دم لئے بغیر امام سے اجازت لے کر منافقین پر ٹوٹ پڑے انفرادی جنگ میں متعدد پہلوانوں کو قتل کیا اور آخر میں شہادت کے مرتبہ پر فائز المرام ہوئے۔ اس کے بعد حر نے اپنے نورِ نظر علی سے خطاب کر کے کہا: ہاں بیٹا! بڑھو اور منافقین سے جنگ کرو

علی نے تلوار علم کی اور رجز پڑھتا ہوا بڑھا۔ اشقیا کے گروہ کے قریب پہونچ کر مبارز طلب کیا فی الفور ایک آزمودہ کار صف سے نکل کر مقابل ہوا لیکن شیر کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر سکا۔ مشکل سے دو تین دفعہ ردوبدل ہوئی تھی کہ علی کی تلوار نے سر و تن میں جدائی کر دی۔ اب یکے بعد دیگرے حریف کے پہلوان آنے اور قتل ہونے لگے

حر دور کھڑا ہوا بیٹے کی لڑائی سے لذت اندوز ہو رہا تھا اس کی فن کاری اور سپاہیانہ پینترے دیکھ دیکھ کر کلیجہ بڑھ رہا تھا مگر وہ مسرت نہ تھی حقیقت میں جس کے حصول کی آرزو رکھتا تھا یکایک بیرحم کی زبردست ضرب نے علی کو دونیم کر کے گھوڑے کی پشت سے زمین پر گرا دیا۔ حر کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا: مرحبا مرحبا، جزاک اللہ، بیٹا تو نے مجھے دربار رسالت میں سرخ رو کر دیا۔ کہا اور تلوار پکڑ کر شیرانہ حملہ کر دیا۔ جس طرح ضیغم کے سامنے سے روباہ گریز کرتے ہیں، کوفیوں اور شامیوں کی بھیڑ بھاگنے لگی، کوئی اجل رسیدہ گھبراہٹ میں سامنے آ گیا تو کبھی نیزہ کبھی شمشیر کا لقمہ بنا۔

حر کی قیامت خیز جنگ نے افرادِ فوج کو مشوش کر دیا وہ حیران ہو ہو کر فارس کو مغلوب و مقتول کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے اُن کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ مقابلہ کی کیا صورت اختیار کی جائے جو مفید نتیجہ برآمد کر سکے! اسی حیص بیص میں وقت گذر رہا تھا کہ صفوان بن حنظلہ بدمست فیل کی طرح جھومتا ہوا صف سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا۔

حر شمشیر زنی کے ساتھ ساتھ اشقیا کو شرم دلانے اور ان کے ناروا افعال پر روشنی ڈالنے میں مشغول تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ واے ہو تم پر، تم نے اپنی غیرت و حمیت کو تباہ کر دیا تم نے سبط رسول اللہ کو امداد کے وعدے پر بلایا۔ جب وہ تشریف لائے تو اپنے وعدوں سے روگردانی کرتے ہوئے انھیں محصور کر لیا، اُن کی عورتوں، بچوں، عزیز اقارب اور اعوان انصار پر آب و غذا بند کر دی اور اب ان کا خون بہانے پر آمادہ ہو گئے ہو۔

یہ جملہ تمام ہوا ہی تھا کہ صفوان کی تلوار چمک کے گری، کوئی معمولی سپاہی ہوتا تو یقیناً دو ٹکڑے ہو کر گر جاتا صفوان سنبھلے سنبھلے کٹ کر زمین پر آ رہا۔

اس واقعہ کو اُس کے تین بھائیوں نے دیکھا ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تینوں ایک ساتھ دلیر پر ٹوٹ پڑے۔ حر کو جان کی پروا نہ تھی وہ یادگار جنگ کرنے کا عزم کر چکا تھا تین نفر تو کیا تھے تین ہزار بھی ہوتے تو نظر میں نہ لاتا۔ اس نے کامل اطمینان و سکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے وار خالی دیا پھر مقابل والے جوان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ سپر بھی بچا نہ سکی۔ ادھر تو وہ لڑکھڑا کے گرا ادھر حر نے دہنی طرف مڑ کر دوسرے پر نیزے کا وار کیا، انی دشمن کے سینہ میں ڈوب گئی۔ اس نے بھی بھائی کا

ساتھ دیا اب جو تیسرے کی جانب متوجہ ہونا چاہتا تھا لیکن مد مقاومت کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلا زد پر آئے ہوئے شکار کا فرار کرنا حر کے غیظ و غضب کا موجب قرار پایا۔ حر نے جھپٹ کر اسے بھی نیزے پر اٹھا لیا جب تک لوگ کمک کو آئیں یہ بھی گرگ اجل کا نوالہ بن کر فی النار والسقر ہو گیا

دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا نقشہ بدل گیا چار جانب سے بہادر پر تیر برسنے لگے۔ جن کی بدولت اکثر جراحتیں بہم پہنچ گئیں اور اس سے بھی زیادہ مہلک واقعہ یہ ہوا کہ بے پناہ پیکانوں سے چھید چھید کر وفادار گھوڑا ہلاک ہو گیا اب حر کو جزاء تھہرا پیا دہ ہو جانا پڑا، وہ چھلانگ مار کر زمین پر آ گیا اور جزیہ اشعار پڑھتا ہوا تیر انداز وں کی طرف بڑھا:

اگر تم نے میرا گھوڑا پے کر ڈالا تو کوئی مضائقہ نہیں میں ایک شریف انسان کا فرزند اور

شیر سے زیادہ شجاعت کا مالک ہوں۔"

ٹھیک یہی ہنگام تھا کہ سید الشہدا کے چند جاں نثاروں نے نصرت کرتے ہوئے، حر کو خیمہ گاہ کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور کر دیا۔

خدا ہیں حسینؑ؟

از جناب مولانا محمد ادریس صاحب نگینوی

سنو سنو میں بتاؤں تمھیں کہ کیا ہیں حسینؑ
نبی کی جان ہیں اور روح فاطمہ ہیں حسینؑ،
جو شرع منع نہ کرتی مجھے یہ کہنے سے
قسم خدا کی میں کہتا مرے خدا ہیں حسینؑ

یادگار عظیم

قطعہ تاریخ سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی

از جناب حکیم سید مظہر علی صاحب مظہر بلگرامی کشنگنج پورنیہ

یادگار شہید کرب و بلا
للہ الحمد شدہ محکم
بہر تاریخ "یادگار عظیم"
مظہری گفتہ شہید الاعظم

۱۳۶۱ھ

اے حسینؑ

آپ کے آگے جو خم ہو ہم کو وہ سر چاہیے

(از مداح رسولؐ و آل رسولؐ حضرت اسد انصاری فرنگی محلی)

گذشتہ ابو الفضل العباس نمبر میں آپ کا سلام شائع ہو کر بے انتہا مقبول ہو چکا ہے۔ ہماری استدعا پر نیا سلام آپ نے عطا فرمایا ہے جو درج ذیل ہے۔ فقط۔

اے اسدؔ دل میں ولائے ابن حیدر چاہیے
اور لب پر مدحت آل پیمبرؐ چاہیے!

جو کرے یاد آپ کی وہ قلب مضطر چاہیے
آپ کے آگے جو خم ہو ہم کو وہ سر چاہیے

ہو ہم آہنگ غم شبیر ہر تار نفس
یعنی ہر ہر سانس میں یا ابن حیدر چاہیے

ساقیا تشنہ لبان کربلا کا واسطہ
مجھ سے بد اعمال کو بھی جام کوثر چاہیے

اپنا یہ سر اور ان کا آستان پر جلال
بات کیا ہے ہاں مگر تقدیر یاور چاہیے

جمع کر لو گوہر اشک غم شبیرؑ کو
حشر کے دن کچھ تو بہر نذر اور چاہیے

اضطراب دل ہوا جاتا ہے اب حد سے فزوں
اک نگاہ مرحمت اے بندہ پرور چاہیے

ہے تو ہے بھنور میں کشتیٔ اہل عزا
الفت شبیر کا مضبوط لنگر چاہیے

منہدم کرنا ہے قصر دشمنان اہلبیت
چاہیے ہاں قوت بازوئے حیدر چاہیے

تا قیامت ہے غم سبط نبی تیرا کفیل
اور سرمایہ تجھے کیا دیدۂ تر چاہیے

قابل عبرت ہے بیشک اے اسدؔ انجام حُرؑ
بات حیرت کی نہیں ہے کچھ مقدر چاہیے

یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ کے سلسلہ میں

بازو یا سینہ پر نشان

جو ادارہ مرکزی یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ سے طے پایا تھا وہ تیار ہو گیا ہے
جس کا نمونہ درج ذیل ہے

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے

(حسین بن علی)

اس کو اعلیٰ درجے کے سبز ساٹن کے کپڑے پر چھاپا گیا ہے اور مصارف تیاری کے لحاظ سے قیمت قرار دیگئی ہے جو درج ذیل ہے

ایک عدد (۲/) دو عدد (۳/) پچیس یا اس سے زیادہ بحساب فیصدی ایکروپیہ بارہ آنے

۵۰۰ یا اس سے زیادہ بحساب فی ہزار سولہ روپیہ

جتنی تعداد میں ضرورت ہو طلب فرمایئے،

(نوٹ) جو حضرات چاہیں اس نمونے کے مطابق خود بھی اپنے یہاں ان نشانوں کو تیار کرا سکتے ہیں

الناظم
سید مظہر نقی جاجموی آنریری سکریٹری
جوائنٹ سکریٹری ادارہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ دین دیال روڈ لکھنؤ

جہاد بالنفس

جناب سید محمد انور صاحب قبلہ محقق ہندی جونپوری سابق مبلغ
مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

لشکر اسلام جنگ خندق کے کامیابی کے بعد خوش خوش پلٹا ہے اور کمریں کسے ہوئے مسلمان بارگاہ رسالت پر کھڑے ہیں کہ حضور سرور عالم و فخر دولت سرا سے برآمد ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ دیکھو مسلمانوں اس میں شک نہیں کہ تم لوگ جہاد بالسیف کی سختیاں سر کر کے آئے ہو لیکن اسی پر اکتفا نہیں۔ ابھی تم کو ایک جہاد اکبر کرنا ہے تب کہیں یہ جہاد مکمل ہوگا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کونسا جہاد ہے آپ نے فرمایا وہ جہاد بالنفس ہے جس کی کامیابی کے بعد تم لوگ مجاہد فی سبیل اللہ ہو سکتے ہو۔ مجمع خاموش تھا اور رسول دعوت پر دعوت دے رہے تھے نواسے نے نانا کی آواز پر ۶۱ھ میں وادی نینوا میں لبیک کہا اور جہاد اکبر کے حقیقی معنوں میں مجاہد فی سبیل اللہ ہی نہیں بلکہ مصداق ذبح عظیم ہو گئے جس کے سامنے خلیل اللہ کی قربانی بھی ہیچ ہو گئی، حالانکہ مشکل ہے اہم ہے اور ناقابل قیاس ہے کہ باپ اور ضعیف باپ کا ہاتھ جوان اور نوجوان خوبرو اور خوشکیل بلکہ گیسوؤں والے بیٹے کی گردن پر چلنے کیلئے چھری اور فولادی تیز چھری پکڑے اور مضبوط پکڑے مگر یہ وقت اسی وقت تک صبر و اضطراب چھپنے کے لئے کافی تھا جبتک اس کے مشار الیہ کی تصویر نظروں سے اوجھل تھی۔

آئیے ایک اور باپ کا جہاد بالنفس دیکھئے جس کی تعریف صرف لفظ ضعیف پوری نہیں کر سکتی بلکہ ضعیف باپ کہئے اور ایک کمر شکستہ باپ جس کی کمر کسی تلوار یا تیغ سے نہیں بلکہ ماہ بنی ہاشم جیسے بھائی کی فرقت کے دائمی فراق نے توڑ دی۔ ایک دل شکستہ باپ جس نے ستر عزیز و انصار اور ان جاں نثاروں کے غم میں مجروح دل سے برداشت کر لیا جن کی مثال کسی نبی اور رسول کے انصار میں نہیں ملتی اور ایک ایسا باپ جس کا کوئی عضو بدن زخم سے محفوظ نہیں ہے اپنے اس فرزند کو میدان میں بھیج رہا ہے جس کی مکمل تعریف نہیں ہوتی اگر اٹھارہ سالہ نوجوان کہا جائے جو نانا کی فتوٰی ہے۔ نہیں ہمشکل رسول بھی ہے اور عمامۂ رسول سر پر رکھ کر تو مجسم تصویر رسالت ہو گیا ہے۔ یہاں خلت کا دعوٰی بھی نہیں اور نہ خلیل کی طرح آنکھوں پر کوئی پٹی ہے۔

یہ فطری امر ہے کہ جیوں جیوں جوان اور کڑیل جوان بیٹے کا افتراق چشم میں امامت میں بڑھتا جاتا ہے نور بصر شدید تیج

تائل ہو رہا ہے جوان اور شہسوار بیٹا اسپ سبک گام باپ کے حکم پر مہمیز کرتا ہے اور ضعیف باپ گرد کاروان کی طرح پس اسپ رواں ہے یہ درخواست نہیں کہ بیٹا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے صبر میں فرق آجاوے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ راحت جان صرف اس لئے کہ اگرچہ آنکھوں کے سامنے ہو مگر ایک ایک قدم پر تو نور زائل اور رخصت ہو رہا ہے راوی جو واقعہ کا مبصر ہے نہ شاعر ہے لہٰذا اعلیٰ شاعری مگر عجیب مثال دیتا ہے کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ مظلوم کربلا اس طرح بیٹے کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے جس طرح حاجی قربانی کے جانور لیکر خانہ کعبہ کی طرف جاتے ہیں اور ام لیلیٰ دل تھامے ہوئے پس در خیمہ کھڑی ہوئی امام کا چہرہ دیکھ رہی تھیں یہ سمجھ کے کہ آخر باپ کا دل ہے میرے لال پر اگر کوئی آنچ آئے تو امام کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جائیگا علی اکبر اس طرح میدان کارزار میں بیوہ بچہ اور شام کے بادل میں ڈوب ڈوب کے اس طرح نکلتے تھے جیسے ابر کے پردے سے آفتاب عالم تاب نکلتا ہے لہجے میں رسول کا انداز تھا صورت و سیرت میں پیغمبر کی خو بو تھی رفتار و گفتار میں رسول کا جز بہ تھا اگر کوفیوں اور شامیوں کو رسول کا دھوکا ہوا ہو تو عجب نہیں لیکن ہم تو یہ سمجھے ہیں کہ رسول خود نہیں تو ہمشکل رسول کے ساتھ ضرور رہے ہونگے ہمشکل رسول جنگ کر رہے تھے اور رسول ہمراہ ہر دار پر داد شجاعت دے رہے تھے اور باپ بیٹے کا خشک لب دیکھ رہا تھا اور ماں کھڑی ہوئی باپ کا چہرہ دیکھ رہی تھی کہ دفعتہً امام کے چہرہ آثار تغیر نمودار ہوئے اور ادھر فوراً خیمہ سے ایک آواز آئی کہ آقا میرے گیسوؤں والے کی خیر تو ہے امام نے کہا ام لیلا تمھارا لال زغۂ اعدا میں گھر گیا ہے جاکے خیمہ میں دعا کرو ام لیلیٰ نے بال کھول کے دعا کرتا ہی چاہا تھا کہ رن سے آواز آئی وا ابتاہ اوّ ارباب دل غور کریں کہ اس آواز سے خیمۂ حسینی میں کیا تہلکۂ عظیم برپا ہوا ہوگا آخر امام حسین کیا کریں مخدرات عصمت کو سنبھالیں یا اپنے دل کو سنبھالیں یا بیٹے کی آواز پر جائیں ع

حیرت بپا ہی ایسی پڑے آہ کیا کرے
صابر حسین سا ہو تو شکر خدا کرے

یہ سید الشہدا ہی کا نفس تھا کہ جہاد اکبر کی آخری منزل طے کرنے کیلئے نانا کی یادگار کی آواز پر دل تھامے ہوئے کمر خمیدہ اس طرح سے چلے ہیں کہ قدم کہیں رکھتے ہیں اور پڑتا کہیں ہے اور زبان پر یہ فقرہ ہے کہ بیٹا تمھارے بعد دنیا و زندگانی دنیا پر خاک ہے جناب دنیا کا دستور ہے کہ کڑیل جوان کے دم توڑتے وقت لوگ ماں باپ کو ہٹا دیتے ہیں لیکن ہماری جانیں نثار ایسے شہید راہ خدا کیلئے اور اس کے صبر آزما دل کیلئے جس نے بیٹے کو ہر حال میں دیکھا کہ سینہ پر برچھی لگی ہے اور زخم سے لہو ابل رہا ہے اور علی اکبر مرگ گرم کربلا پر دم توڑ رہے ہیں آخر باپ کا دل تھا نہ رہا گیا عجب طرح کا دل معذ جگر نوحہ کہا ہے جو آج تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی دل کو برماتا ہے فرماتے ہیں کہ لَقَدْ اِسْتَرَحْتَ مِنْ کَرْبِ الدُّنْیَا وَ ہَمِّہَا وَ غَمِّہَا وَ تَرَکْتَ اَبَاکَ وَحِیْداً فَرِیْداً بَیْنَ الاَعْدَاء بیٹا

تم نے تو رنج و غم دنیا سے نجات پائی لیکن ضعیف باپ کو تنہا زغۂ اعدا میں چھوڑ گئے فقط

نوحہ

قوت بازوئے شاہ انس و جاں عباس ہیں

از جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ مدظلہ

ہوئے سرور زور قلب ناتواں عباس ہیں — میں علمداری انھیں دونگا کہاں عباس ہیں

جب سے یہ پیدا ہوئے شبیر نے پالا انھیں — اب تو اکبر کی طرح آرام جاں عباس ہیں

فتح روحانی کا رایت نصب کردینگے ضرور — یوں لئے شہزور ہاتھوں میں علم عباس ہیں

کیوں علمداری نہ لشکر کی عطا کردیں حسین — باوفا شیر نیستاں اور جواں عباس ہیں،

رفعتیں دو بھائیوں کی کربلا میں کہہ اٹھیں — عرش ہیں سبط پیمبر آسماں عباس ہیں

کوفیوں کو کون سمجھائے کہ بھر لینے دو مشک — تین دن کی پیاس ہے اور میہماں عباس ہیں

کیوں نہ سر ٹکرائیں ساحل سے حباب و موج نہر — ہونٹ سوکھے ہیں تو خشکیدہ زباں عباس ہیں

رعب و ہیبت سے نہ کیوں سہمے ہر اک جن و بشر — قوت بازوئے شاہ انس و جاں عباس ہیں،

کروٹیں لیتا ہو زخمی شیر جیسے خاک پر، — اس طرح زخموں میں ریتی پر طپاں عباس ہیں

اب تو نیزے، تیر، تلواریں، نہ مارو اشقیا، — ہاتھ کٹ جانے سے بیحد ناتواں عباس ہیں

خون سر سب بہہ گیا غش آرہے ہیں باربار — شاہ روتے ہیں سرہانے نیمجاں عباس ہیں

آسمان دشمن سہی، ہو نیرؔ، نہیں واعظ کو ڈر
ہیں کرم شبیر کے اور مہرباں عباس ہیں،

میرا سلام لیجا

از حضرت شوکت سبزواری ساما نوی منشی فاضل،

کربل کو جانیوالے، عزت اٹھانے والے
مظلوم تک رسائی، قسمت سے پانے والے
اس کشتۂ جفا تک میرا سلام لے جا

مگر جس نے سب لٹایا، پیاسا گلا کٹایا،
وہ شاہ جس نے مرکر نانا کا دیں جلایا
اس سبط مصطفےٰ تک میرا سلام لے جا

وہ نور چشم حیدر، وہ فاطمہ کا دلبر
وہ جسم و جان احمد، بھائی تھا جسکا شبر
اس پیکر رضا تک میرا سلام لے جا

رن میں گرا جو اکبر شکوہ نہ لایا لب پر
سہہ کے سخت ایذا، ہوتا تھا صبر افزا
ہم شکل مصطفےٰ تک، میرا اسلام لے جا

سہہ کے جس نے آفت، دیں کی بچائی عزت
خطرہ نہیں جس نے پیہم، کی دین کی حمایت
اس آل مصطفےٰ تک میرا سلام لے جا

شبیر کا برادر، عباس ابن حیدر
جو تھا امیر لشکر جس کا وفا تھا زیور
اس پیکر وفا تک، میرا اسلام لے جا

جو مکر سے بلایا، پانی نہ جس نے پایا
پانی کے بدلے جس کے، تیر قضا لگایا
ششماہے مہ لقا تک میرا سلام لے جا

سبیلِ عباسؑ

از جناب حکیم سید مظہر علی مظہر بلگرامی کشن گنج پورنیہ

واللہ نہیں کوئی مثل عباسؑ عالم نہیں لا سکتا عدیل عباسؑ
اک مشک کا فضل اللہ اکبر مظہر ہے جاری ابد تک سبیل عباسؑ

قائد اعظم حضرت عباسؑ

از جناب مرزا امجد علی صاحب رشک لکھنوی

پرچم اک عباس غازی کا ہمارے پاس ہے ۔ قائد اعظم ہمارا حضرت عباس ہے
مشک تجکو دیکھکر روتیں کہیں گے علی اے فرشتو چھوڑ دو یہ عاشق عباس ہے

سنہ ۱۳۶۱ ہجری کا محرم

اور

امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

آپ کا

یہ دینی و تبلیغی مشن سنہ ۱۹۳۲ء سے اب تک قائم ہے۔ اس دوران میں اس نے مختلف اہم موضوعات پر ۸۵ تبلیغی دینی رسائل شایع کئے ہیں یہ رسائل ملک کے زبردست اہل قلم حضرات اور حضرت سید العلما ، دام ظلہ، کے زور قلم کے نتائج ہیں ان رسائل کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر رسائل کے کئی کئی اڈیشن بہت جلد شایع کرنا پڑے زیادہ تر لٹریچر اردو زبان میں شایع ہوا ہے اور بہت سے رسائل ہندی انگریزی میں شایع کئے جا چکے ہیں۔ ہندی، اور انگریزی کے رسائل خاص طور سے ہر سال محرم کے موقع پر علاوہ اردو، ہندی، انگریزی کے ملک کی دیگر بڑی بڑی زبانوں میں بھی لٹریچر شایع کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ سب افراد ملت محرم کے موقع پر کم از کم قیمت والے رسائل کی ڈیڑھ ڈیڑھ چار چار ہی جلدیں خرید کرکے غیر اقوام میں ضرور تقسیم فرما دیں گے اور حسینؑ کے اصل مقصد شہادت کو دنیا کے سامنے پیش فرما کر عند اللہ و عند الرسولؐ ماجور ہوں گے تقسیم کرنے والے حضرات کے لئے قیمت میں کافی رعایت کی جاتی ہے۔ مشن نے بیادگار سلور جوبلی صد سالہ ایک خوشنما اور کار آمد کلنڈر بھی شایع کیا ہے جو بلا قیمت علاوہ ممبران و ہمدردان مشن کے ہر فرمائش رسائل کیساتھ مفت روانہ کیا جاتا ہے۔ ایک کارڈ بھیجکر مفصل فہرست جلد طلب فرمائیے۔ ذیل میں صرف اُن رسائل کی مختصر فہرست درج ہے۔ جو محرم میں تقسیم کرنے کے قابل ہیں اور جو

(بقیہ مضمون صفحہ ۹۱ پر ملاحظہ ہو)

مخصوص طور سے اس مقصد کے لئے طبع کرائے گئے ہیں۔ مفصل فہرست مطبوعات مشن و بک ایجنسی فارم ممبری کی طلب فرمانے پر فوراً ارسال خدمت ہو گی

نمبر رسالہ	نام رسالہ	قیمت	محصولڈاک
۷	حسین اور اسلام اُردو	چھ پیسے ۱۰/	تین پیسے ۰/
۴۷	ذوالجناح "	دو پیسے ۰/	تین پیسے ۰/
۵۰	حسین ان دی بینی آف کربلا۔ انگریزی	چھ پیسے ۱۰/	تین پیسے ۰/
۵۱	شہید اعظم اردو	پانچ پیسے ۱/	تین پیسے ۰/
۵۷	حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام "	ایک آنہ ۱/	تین پیسے ۰/
۶۵	دی لاسٹ مسیح آف حسین انگریزی	دو آنے ۲/	تین پیسے ۰/
۷۱	دی مشن آف حسین "	ایک آنہ ۱/	تین پیسے ۰/
۷۵	مظلوم کربلا اُردو	دو آنے ۲/	تین پیسے ۰/
۷۶	دی مارٹر آف کربلا انگریزی	تین پیسے ۰/	تین پیسے ۰/
۸۲	حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام گجراتی ترجمہ	دو آنے ۲/	تین پیسے ۰/
۸۳	" " " " سندھی ترجمہ	دو آنے ۲/	تین پیسے ۰/
۸۴	" " " " ہندی ترجمہ	چھ پیسے ۱۰/	تین پیسے ۰/
۸۵	" " " " بنگالی ترجمہ	دو آنے ۲/	تین پیسے ۰/

—— (نوٹ) ——

لکھنؤ میں ملنے والی ہر کتاب مشن کے ذریعہ طلب فرمائیے

ملنے کا پتہ

ہمارے عطریات کے متعلق علماء کرام اور رؤسا عظام کے خیالات

سرکار ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی کا ارشاد گرامی،

سید غلام حسنین صاحب کو میں بہت مدت سے جانتا ہوں انکے کارخانہ کے بنے ہوئے عطریات میں نے اکثر استعمال کئے اور قابل اطمینان پایا اگر مومنین ان سے خرید کرنا پسند کریں تو بہتر ہوگا مجھے امید ہے کہ موصوف معاملہ میں استبازی فرما کر مومنین کو سرفراز فرمائینگے۔ واللہ الموفق مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد کا ارشاد بایں عبارت ہے۔ میں اس امر کا نہایت متمنی ہوں کہ میری قوم کے افراد جس قریب بجوری گداگری سے الگ ہو کر محنت و مشقت تجارت زراعت صنعت و حرفت کے ذریعہ سے بسر اوقات کرنیکی عادت ڈالیں اور میرے نزدیک وہ حضرات بہت زیادہ قابل قدر ہیں جو مذکورہ بالا ذرائع سے کسب معاش کرتے ہیں اسی سلسلہ میں جناب سید غلام حسنین صاحب کو نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ آپنے عطر سازی کا کام جاری کر کے تمام قوم میں ایک بہترین مثال قائم کر دیا خوشبو کا استعمال عند الرسول اور دیگر معصومین کے نزدیک بھی مستحب تھا اور ہمارے رسول بھی خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اسلئے عطر کا استعمال بہتر مومنین میں داخل ہو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ادا استحباب کمال احتیاط کیساتھ مومنین کے پاک ہاتھوں کا بنایا ہوا عطر ہو اور مومنین ہی اس عطر کے ذریعہ کسب ثواب کریں میں نے بھی موصوف کا بنایا ہوا عطر استعمال کیا اور آئندہ بھی آپ کی صنعت و محنت کی قدر کرتا رہونگا۔ آپکا بنایا ہوا دیگر کارخانوں کے عطریات کسیطرح کم نہیں ہے لہذا حسن ملت جناب غلام حسنین صاحب اور انکے کارخانہ کو دیگر کارخانوں پر ترجیح دینا تمام مسلمین پر لازم ہے۔ فقط جررہ سید کلب حسین عفی عنہ۔ عالیجناب پرنس محمد عباس صاحب بہادر مسعودی رئیس شمس آباد کا مکتوب گرامی شمس آباد فتحگڈھ ۲۷ جون سنہ ۱۹۲۱ء معہ جناب سید صاحب دام مجدکم سلام علیکم عطر ہزار گل اور روح خس کی خوشبو لائق صد تحسین ہے۔ ازراہ کرم مندرجہ ذیل اشیاء وی پی کے ذریعہ سے روانہ فرمائیں نمونہ عطر سنبل ایک شیشی، فنیسی تین تولہ۔

تین روپیہ چار تولہ گولی تمباکو زرافشانی سے، نیاز مند محمد عباس صفوی

فینسی پنجتنی عطردان

یہ عطردان نہایت خوشنما شیشہ ولایتی کے تیار کرائے گئے ہیں اسمیں ۵ کنٹریاں خوبصورت شیشے کے کارگ کی مختلف قسم کے پانچ عطریات سے بھری ہوئی ہیں عطردان کے اوپر کا حصہ جسکو اسلولا کہتے ہیں کا بنا ہوا نعل کی شکل کا اور ریشمی سائٹن منڈھی ہوئی ہے مختصر یہ کہ بہت زیبا ہے خصوصیت سے یہ عطردان شادی بیاہ کے موقع پر جہیز میں دینے کیلئے بہت مناسب ہیں یا بطور تحفہ و سوغات وغیرہ استعمال کئے جا سکتے ہیں قیمت سات روپیہ۔ نمبر ۲ پانچ روپیہ نمبر ۳ تین روپیہ علاوہ محصولڈاک نوٹ:۔ اقسام عطردان میں جسکی قیمت ۷ روپیہ ہے شاہی عطریات مخلوط آصفی وغیرہ ہیں باقی نمبروں میں مختلف قسم کے پانچ عطریات ہوں گے

قوام زرافشانی! تمباکو کھانیوالے حضرات کے لئے بیش بہا تحفہ ہے آپ کتنا ہی قیمتی قوام کیوں نہ کھاتے ہوں مگر زرافشانی قوام کو ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد آپ مستقل طریقہ پر اسے اپنے فرمائیں گے قیمت فی تولہ بارہ آنے فہرست مفت طلب فرمائیے!

جنٹلمین غلام سبطین تاجر عطر وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

شاہی عطریات

عطر ہزار گل

اس کی بھینی بھینی خوشگوار خوشبو قوت شامہ کے لئے کیف آور ہے یوں سمجھئے کہ صد ہا پھولوں کا نچوڑ ایک شیشی میں بند ہے تمام پھولوں کے عطروں میں دیرپا ہے۔ قیمت فی تولہ پانچ روپیہ

عطر مخلوط آصفی

نواب آصف الدولہ بہادر کا ہمنام عطر ہے خصوصیت کے ساتھ جاڑوں میں بہتر ثابت ہوا ہے ایک مرتبہ لباس کو بسا دیا جائے تو مدت تک مشک و عنبر کی خوشبو قائم رہتی ہے قیمت فی تولہ ۴ روپیہ

عطر مرغوب سکندری

یہ عطر اگر ایکطرف خوشبودار مسالوں کی خوشبو کا حامل ہے تو دوسری طرف اسپر داسن میں متعدد پھولوں کی دل آویز شمیم لئے ہے غرضکہ اپنی نوعیت میں سب سے علحدہ ہے فی تولہ پانچ روپیہ

شاہی عطریات

عطر اگر جہ محمد شاہی

محمد علی شاہ تاجدار اودھ سے کون نہیں واقف ہے یہ عطر ان کی طرف منسوب ہے اس کی لطیف خوشبو ربائیدہ ہوتی ہے اور نسیاطی کیفیت طاری ہو جاتی ہے قیمت فی تولہ ۴ روپیہ

عطر حسن حنا

حنا ایک مشہور و معروف عطر ہے یہ اسکی ایک نئی قسم ہے اسکی خوشبو نہایتی دلپسند اور شگفتگی پیدا کرنیوالی ہے مشک و عنبر کیساتھ ہلکی ہلکی کچھ پھولوں کی مہک بھی شامل ہے فی تولہ پانچ روپیہ

عطر موتیا سنہری

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں بالکل تازہ موتیا کے پھولوں سے اپنے دماغ کو معطر کریں تو اس عطر کو طلب فرمالیجئے ہم نے خاص اہتمام سے اس عطر کو تیار کیا ہے رنگ سنہری ہے۔ فی تولہ پانچ روپیہ

دربار شاہان لکھنؤ کی ہر مرض کی خاندانی مجرب ادویات ہیٹیٹ مجربہ شدہ دو سو سال فہرست ادویہ دواخانہ از راہ قومی مذہبی ہمدردی مفت طلب فرمایئے

عمر اسلاف شہنشاہوں میں ساری گذری

پانچویں پشت طبابت میں ہماری گذری

اگر کوئی دوا فوراً فائدہ نہ کرے گی تو تا صحت ادویات بلا قیمت صرف صرفہ پیکنگ مزدوری تیاری دوا مفت روانہ ہوگی اگر مرض لاعلاج ہو جائے گا قیمت دوا حلفیہ واپس ہوگی۔ فروختگی ادویات کا منافع خالص قومی و مذہبی کاموں میں روانہ ہوگا۔ جوابی خطوط کے ہمراہ ٹکٹ ڈاک مزدور آوے فرمائشوں کی تعمیل بذریعہ وی پی ہوگی۔ مرض کا مشرح حال تحریر فرمایئے آرڈر میں حوالہ اخبار ہو ہر مرض کی دوا ہر موسم میں نفع دیتی ہے

اکسیر نوجوانی نمبر ۵

اعضائے رئیسہ کو بے انتہا قوت دیتی ہے بینائی کو تیز کرتی ہے کل اعضائے جسم میں بے انتہا قوت آجاتی ہے اور قوت باہ میں اسقدر ترقی ہو جاتی ہو کر بڑھاپے میں بھی اولاد ہوتی رہتی ہے اس کے فوائد کثیرہ اسقدر ہیں کہ قابل قابل بیان نہیں کسی عمر کا انسان ہو شرطیہ طور پر مثل نوجوان کے ہو جاتا ہے ہر عمر کے مرد و عورت کیلئے یکساں طور پر مفید ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر کوئی مفید دوا ان شکایات کے ازالہ کیلئے آج تک ایجاد نہیں ہوئی جس روز یہ دوا شروع کیجائے تو صحیح طور سے اپنے جسم کا وزن کرلیں بعد استعمال دوا پھر وزن کریں جسم میں سیروں خون کی زیادتی پائیں گے نیز اجابان عالم واجد علیشاہ آخری شاہ اودھ لکھنؤ کی خاص فرمائش پر میرے والد ماجد فخر الحکماء حکیم عبدالعلی صاحب طبیب دربار شاہی نے بمقام کلکتہ مٹیا برج میں تیار کی تھی شاہ موصوف نے اسکو ازحد پسند فرما کر تمام عمر استعمال فرمایا۔ قیمت مع محصولڈاک مبلغ چوبیس روپے بارہ آنے بیس خوراک۔

اکسیر دمہ نمبر ۱۵

اس مرض کی نسبت عام خیال ہے کہ دمہ دم کے ساتھ جاتا ہے ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ شرطیہ آرام چودہ یوم میں اکسیر دمہ کے استعمال سے ہو جاتا ہے۔ اکسیر دمہ ہماری خاندانی مجربات سے ہے دو سو سال سے کثرت سے مریضوں کو صحت کلی ہو چکی ہے ہر طرح سے قابل اطمینان ہے اسکو استعمال کرکے قدرت خداوند عالم کا تماشہ دیکھئے پچاس پچاس سال کے جاں بلب مریض صحت پاگئے ہیں زیادہ تعریف ہماری خاندانی روایات کے منافی ہے۔ قیمت مع محصولڈاک وغیرہ حسب ذیل ہے۔ دمہ مرض سہ سال قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے سہ سال سے زیادہ عرصہ کا دس روپے بارہ آنے ۱۰/۱۲

اکسیر سرعت انزال

یہ مرض آج کل بکثرت ہے اس دوا کے استعمال سے مرد سے اسوقت تک ہرگز نہ فارغ ہوگا جبتک خود مرد کا دل نہ چاہے اور قوت باہ میں بھی روز افزوں ترقی ہو جاتی ہے ہر عمر کے مرد کو یکساں مفید ہے یہ عجیب و غریب دوا ہے۔ قیمت مع محصولڈاک پانچ روپیہ بارہ آنے ۵/۱۲ (۱۴ خوراک)

طلاء اکسیر مخصوص نمبر ۴۳

اگر عضو مخصوص اغلام، آتشک، سوزاک وغیرہ سے کوتاہ و لاغر کج اور رگیں پھول گئی ہیں اور قوت مردمی بھی قطعی جواب دے چکی ہے تو یہ طلاء ان کل شکایتوں کو رفع کر دیتا ہے

سید ظفر عباس پرنٹر پبلشر ایڈیٹر نے سرفراز قومی پریس میں چھپوا کر دفتر سرفراز وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع کیا۔